سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ بالآخر حضورؐ نے سہیل کی شرط قبول کر لی اور فرمایا:

"اچھا تم ابوجندل کو اپنے ساتھ واپس لے جاؤ۔"

اس موقع پر حضرت ابوجندلؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور بآوازِ بلند پکارے:

"اے گروہِ مسلمین! ایک مسلمان کو پھر مشرکوں کے سپرد کر رہے ہو تاکہ وہ اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ سکیں۔ ذرا میرے جسم پر ان کی مار کے نشانات دیکھو کہ کس طرح ان سے خون کے دھارے بہہ رہے ہیں۔"

ان کی فریاد سن کر حضرت عمر فاروقؓ بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ، کیا آپ پیغمبرِ برحق نہیں ہیں؟"

فرمایا، "بے شک میں پیغمبرِ برحق ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟"

حضورؐ نے فرمایا، "بے شک ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا، "پھر ہم دب کر صلح کیوں کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا، "میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا حامی و ناصر ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ حضورؐ کا ارشاد سن کر خاموش ہو گئے اب حضرت ابوجندلؓ نے پھر فریاد کی:

"مسلمانو کیا تم مجھے اس لیے قریش کے حوالے کر رہے ہو کہ وہ مجھے دینِ حق سے برگشتہ کریں۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ابوجندل صبر کرو، ہمارے طرزِ عمل کا نتیجہ بہت جلد ظاہر ہونے کو ہے (یہ آپؐ نے کنایۃً فرمایا) اللہ تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے

کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔"

غرض حضرت ابو جندلؓ اسی طرح پا بزنجیر سہیلؓ کے حوالے کر دیئے گئے اور صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کئے بغیر ہی صحابہؓ کے ہمراہ عازمِ مدینہ ہوئے تو بارگاہِ خداوندی سے ارشاد ہوا :-

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

(اے رسول ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کی)

یہ ارشادِ خداوندی فی الحقیقت ان فتوحات اور کامرانیوں کی نوید تھا جو مسلمانوں کو آئندہ حاصل ہونے والی تھیں ورنہ اکثر صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے دب کر صلح کی ہے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ واپس تشریف لائے تو بنو ثقیف کے ایک مظلوم مسلمان حضرت ابو بصیرؓ کسی طریقے سے کفارِ مکہ کے پنجۂ ستم سے چھوٹ کر مدینہ آ گئے۔ مشرکینِ مکہ نے انہیں واپس لانے کے لیے اپنے دو آدمی حضورؐ کے پاس بھیجے آپؐ نے معاہدۂ حدیبیہ کی شرط کے مطابق حضرت ابو بصیرؓ کو ان آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ اثنائے راہ میں حضرت ابو بصیرؓ نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ آ گیا۔ اس نے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ بیان کیا، اتنے میں حضرت ابو بصیرؓ بھی بارگاہِ رسالت میں پہنچ گئے اور عرض کیا : "یا رسول اللہ آپؐ کو اللہ نے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا کیونکہ آپؐ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے مجھے مشرکوں کے پنجۂ ستم سے نجات دلا دی۔"

حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "اس شخص کو اگر چند ساتھی مل جائیں تو یہ جنگ کے شعلے بھڑکا سکتا ہے۔"

حضرت ابو بصیرؓ سمجھ گئے کہ حضورؐ انہیں ضرور مکہ واپس بھیج دیں گے وہ چپکے

سے مدینہ کے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے اور مکّہ سے شام جانے والے تجارتی راستے کے قریب ایک مقام کو اپنا مستقر بنا لیا۔

چند دن بعد حضرت ابو جندلؓ بھی کسی طرح موقع پا کر قید سے نکل بھاگے اور حضرت ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اسی طرح کچھ اور مظلوم مسلمان بھی قریشِ مکّہ سے بچ کر وہاں آ گئے، رفتہ رفتہ حضرت ابو بصیرؓ کے پاس خاصی جمعیت ہو گئی۔ ان لوگوں نے اب قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ قریش کے لیے کوئی تجارتی قافلہ بھیجنا مشکل ہو گیا۔ اس طرح تجارت، جس پر ان کی معیشت کا انحصار تھا سخت خطرے میں پڑ گئی۔ اب وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کو واپس نہ کرنے کی شرط کی وجہ سے ہوا ہے۔ جب تک یہ شرط قائم ہے ان کے پنجے سے نکل جانے والے مسلمان قریش کی تجارت کے لیے خطرہ بنے رہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ یہ شرط منسوخ کر دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر درخواست کی کہ خدا اور صلۂ رحمی کا واسطہ اس شرط کو منسوخ کر دیں اور ابو بصیرؓ، ابو جندلؓ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ آئندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا وہ آزاد ہے آپ اس کو واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔

حضورؐ نے قریش کی درخواست منظور فرما لی اور حضرت ابو بصیرؓ کی جماعت کو ایک خط لکھا کہ ابو بصیر اور ابو جندل ہمارے پاس مدینہ آ جائیں اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ جب یہ نامۂ مبارک حضرت ابو بصیرؓ کو ملا تو وہ بسترِ مرگ پر تھے، اسے پڑھتے پڑھتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ حضرت ابو جندلؓ نے نمازِ جنازہ پڑھا کر اسی جگہ سپردِ خاک کر دیا اور خود ارشادِ نبوی کی تعمیل میں مدینہ چلے آئے۔ مدینہ آنے کے بعد حضرت ابو جندلؓ نے فتح مکّہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابو جندلؓ حضورؐ کے وصال تک مدینہ منوّرہ ہی میں رہے اور عہدِ صدیقی بھی یہیں گزارا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام جانے والے مجاہدین میں شامل

ہو گئے اور رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ مسلسل چھ سال تک شام کے میدانِ جہاد میں سرگرم و غارہے۔ ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس کی وبا پھیلی تو دوسرے ہزاروں مجاہدین کی طرح حضرت ابو جندلؓ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور گھر سے سینکڑوں میل دور میدانِ جہاد میں وفات پائی۔

ابن جریر طبری نے حضرت ابو جندلؓ کے قیامِ شام کے زمانے کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ مجاہدین سے شراب نوشی کی لغزش سرزد ہو گئی۔ حضرت ابو جندلؓ بھی ان میں شامل تھے۔ امیرِ شام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق ان سب پر مجمع عام میں حد جاری کی (ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے گئے)۔ ان اصحاب کو اپنی لغزش اور اس سزا پر اتنی ندامت ہوئی کہ منہ چھپا کر بیٹھ رہے اور باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت ابو جندلؓ بہت زیادہ حساس تھے۔ ان کے دماغ پر بہت برا اثر پڑا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی حالت سے مطلع کیا اور درخواست کی کہ ابو جندلؓ کے نام ایک تسلی آمیز خط لکھ دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو جندلؓ کے نام یہ خط لکھا:

"عمر کی طرف سے ابو جندل کے نام۔ اللہ ان لوگوں کی خطا کبھی نہیں معاف کرے گا جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ اس سے کم درجہ کے خطاداروں کو اگر اس کی مرضی ہو گی تو معاف کر دے گا۔ لہٰذا تم توبہ کرو، سر اٹھاؤ، باہر نکلو اور مایوس نہ ہو۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اے میرے بندو، جنہوں نے اپنے نفس کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، وہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تقاضائے بشری کی بنا پر کسی صحابی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو وہ اپنے اوپر بخوشی حد بھی جاری کروا لیتے تھے اور سخت

ندامت بھی محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو بطورِ خاص خط لکھ کر تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب گناہ معاف کر دے گا اس لیے تم عزلت گزینی مت اختیار کرو۔ اس خط سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی بڑی وقعت تھی۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور بڑے اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ انہوں نے "الاستیعاب" میں حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چند اشعار نقل بھی کیے ہیں۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ —— فقیہ الامت

۱

حضرت سفیان ثوریؒ، امام شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے چار نوجوان حرم کعبہ میں جمع ہوئے اور چاروں میں طے پایا کہ ہم میں سے ہر شخص رکنِ یمانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کرنے کے لیے دُعا مانگے۔

چنانچہ پہلے ایک جوان اٹھا اور اس نے دعا مانگی:

"الٰہی تو عظیم ہے اور تجھ سے عظیم چیزیں ہی مانگی جاتی ہیں اس لیے میں تجھ کو تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبیؐ اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک ارضِ حجاز پر میری خلافت نہ قائم ہو جائے۔"

اس کے بعد دوسرے جوان نے رکنِ یمانی پکڑ کر دُعا مانگی:

"بارِ الٰہا تو کائنات کی ہر شے کا خالق ہے۔ آخر میں ہر چیز کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے، دُعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں......"

پھر تیسرے جوان نے دُعا مانگی:

"اے ارض و سما کے مالک میں تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے۔ میں تجھ سے تیری ذات

کی کبریائی، تیری مخلوقات اور اہلِ حرم کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں
کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا جب تک مشرق و مغرب پر میری
حکومت قائم نہ ہو جائے اور جو شخص میرے خلاف کھڑا ہو اس کا سر نہ
کچل دوں۔"

اس کے بعد چوتھا جوان اٹھا اور اس نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ یہ دعا مانگی:

"اے اللہ تو رحمٰن و رحیم ہے میں تیری اُس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا
ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ مجھے آخرت میں رُسوا نہ کرنا اور مجھے
اُس عالم میں جنّت عطا فرمانا۔"

پہلے جوان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، دوسرے ان کے چھوٹے بھائی مُصعَب
بن زبیرؓ، تیسرا جوان عبدالملک بن مروان تھا اور چوتھے جوان جن کی زندگی کی سب سے
بڑی تمنا صرف اور صرف آخرت کی بھلائی تھی، فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے۔

۲

سیّدنا حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عمرؓ کا شمار اساطینِ اُمّت میں ہوتا ہے
وہ عام طور پر "ابنِ عمرؓ" کے نام سے مشہور ہیں یعنی اس عمرِ فاروقؓ کے فرزند جن کے
بارے میں سید الانبیاء والمرسلینؐ نے فرمایا تھا کہ:

"لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ نَبِیًّا اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔"

(اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔)

حضرت ابنِ عمرؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہؓ بن عمرؓ بن خطّاب بن نُفَیل بن عبدالعزّٰی بن ریاح بن قرط
بن زراح بن عدی بن کعب بن لُؤی۔

کعب بن لُؤی پر ان کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل
جاتا ہے۔ ماں کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا وہ بنو جُمَح سے تھیں اور شرفِ صحابیت

سے بہرہ ور تھیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ تاریخِ اسلام کے چار معروف عبادلہ میں سے ایک ہیں۔ باقی تین عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔ یہ چاروں نادرِ روزگار شخصیات تھیں۔

معتبر روایات کی رو سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۲ھ بعدِ بعثت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ۶ھ بعدِ بعثت میں اسلام قبول کیا تو حضرت ابنِ عمرؓ تقریباً پانچ برس کے بچے تھے۔ والدِ گرامی کے قبولِ اسلام کے ساتھ وہ خودبخود ہی اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوگئے اور ان کا نشو و نما خالص اسلامی ماحول میں ہوا۔ ۱۳ھ بعدِ بعثت میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت عبداللہؓ بھی والدِ گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اس وقت ان کا سن گیارہ برس کا تھا۔ غزوات کا آغاز ہوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے شوقِ جہاد سے بے تاب ہوکر حضورؐ سے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مانگی لیکن آپؐ کا معمول تھا کہ پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے چونکہ حضرت ابن عمرؓ کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس کی تھی اس لیے حضورؐ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ غزوۂ اُحد میں وہ چودہ برس کے تھے اس لیے اس میں بھی شریک نہ ہو سکے۔

(۲)

سب سے پہلا غزوہ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دادِ شجاعت دی غزوۂ احزاب (۵ھ) تھا۔ اس وقت ان کی عمر لڑائی کے قابل ہو چکی تھی۔

۶ھ ہجری میں صلح حدیبیہ سے پہلے انہیں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس طرح وہ اصحاب الشجرہ میں شامل ہو گئے جنہیں اللہ تعالٰی

نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حسنِ اتفاق سے بیعتِ رضوان کا شرف انہیں اپنے جلیل القدر والد سے پہلے حاصل ہو گیا وہ اس طرح کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری سے گھوڑا لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ سے بیعت لے رہے تھے، انھوں نے لپک کر پہلے خود بیعت کی اور پھر والدِ گرامی کو جا کر اطلاع دی۔ وہ بھی فوراً بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ نے خیبر، فتح، حُنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

امام بخاریؒ نے فتح مکہ کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت حضرت ابنِ عمرؓ کا سن بیس برس کا تھا اور وہ ایک منہ زور تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ۔ ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر اس کے لیے گھاس کاٹنے لگے۔ اتفاق سے حضورؐ کی نظر ان پر پڑی تو آپؐ نے مدح وتحسین کے لہجے میں فرمایا، "یہ عبداللہ ہے عبداللہ۔" اس کے بعد وہ حضورؐ کے پیچھے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ حضورؐ کے ساتھ سوار تھے اور حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ آپؐ کے جلو میں تھے۔ خانۂ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجی منگائی گئی اور کعبہ کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے۔ ان کے بعد خانۂ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے کی سعادت حضرت ابنِ عمرؓ کو حاصل ہوئی۔

۱۰ھ ہجری میں حضرت ابنِ عمرؓ نے حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ھ ہجری میں حضورؐ کا وصال ہوا تو حضرت ابنِ عمرؓ اس قدر ملول اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا ــــ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی بے قابو ہو کر رونے لگتے۔

(۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں جہادِ فی سبیل اللہ کی بے پناہ تڑپ تھی۔ عہدِ صدیقی میں تو وہ بعض وجوہ کی بناء پر مدینہ منوّرہ سے باہر نہ جا سکے لیکن عہدِ فاروقی میں ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ والدِ گرامی امیرالمؤمنین تھے لیکن وہ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شریک ہوئے اور کبھی کسی عہدے کی خواہش نہیں کی۔ واقدی نے کئی معرکوں میں ان کی شجاعت اور جانبازی کے واقعات بیان کیے ہیں۔

۲۳ھ ہجری کے اواخر میں حضرت عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا جس میں اکابر صحابہؓ داخل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ اپنے علم و فضل اور دوسری صلاحیتوں کی بناء پر ہر طرح سے خلافت کے اہل تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ انھیں اپنے فرزند کو خلیفہ نامزد کرنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے وصیت کر دی کہ وہ خلیفہ کے انتخاب میں مشیر کی حیثیت سے تو شریک ہو سکتے ہیں لیکن خلافت کے لیے ان کے نام پر کسی صورت میں غور نہ کیا جائے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابنِ عمرؓ کو قضا کا عہدہ پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ ۲۷ھ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے افریقیہ (تیونس، الجزائر اور مراکش) پر فوج کشی کی تو حضرت ابنِ عمرؓ لشکرِ اسلام میں شریک ہو گئے اور جہادِ فی سبیل اللہ میں پُرجوش حصہ لیا۔ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق ۳۰ھ ہجری میں انہوں نے خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں فتنوں نے سر اٹھایا تو حضرت ابنِ عمرؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی کیونکہ انہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہونا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے انہیں مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے یہ بارِ گراں اٹھانے سے

صاف انکار کر دیا۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں غسان بن عبدالحمید کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابن عمرؓ نے اس شرط پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ جنگ جمل اور جنگ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے لیکن بعد میں ہمیشہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی عملاً حمایت نہیں کی۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اور قسطنطنیہ کی مہم میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے بعد یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو بقول ابن سعدؒ انہوں نے اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لیے یہ کہہ کر اس کی بیعت کر لی کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم نے صبر کیا۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی :

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ۔

(پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا — اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا۔)

یزید کے بعد معاویہ ثانی اور مروان بن الحکم مسند حکومت پر بیٹھے۔ ۶۵ھ ہجری میں مروان نے وفات پائی تو اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ بنا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس میں لکھا کہ میں اور میرے لڑکے اللہ اور اللہ کے رسول کی سنت پر امیر المؤمنین عبدالملک کی سمع واطاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے عبدالملک ہی کے عہد خلافت میں ۷۴ھ ہجری میں بعمر چوراسی سال وفات پائی۔ اہل سیر نے ان کی وفات کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا اس میں اس نے اپنے حریف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر تہمت لگائی کہ انہوں نے قرآن حکیم میں تحریف کی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بھرے مجمع

یں کڑک کر کہا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ نہ ابنِ زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے اور نہ تجھ میں یہ مجال کہ کلام اللہ میں تحریف کر سکو ـــــ حجّاج کو حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ ڈانٹ سخت ناگوار گزری لیکن علانیہ ان پر ہاتھ اٹھانے کی جراُت نہ ہوئی البتہ ایک شامی کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ حج کے موقع پر نیزہ کی زہر آلود نوک ان کے پاؤں میں چبھو دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں بیان کیا ہے کہ جب حجاج ابنِ زبیرؓ سے لڑنے کے لیے مکّہ معظمہ آیا اور منجنیق نصب کرا کر خانۂ کعبہ کو سنگباری کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور حجّاج کو بہت برا بھلا کہا۔ اس پر وہ غضب ناک ہو گیا اور اس کے اشارے پر ایک شامی نے ان کو اپنے نیزے کی زہر آلود نوک سے زخمی کر دیا۔ جب وہ بیمار ہوئے تو حجّاج ان کی عیادت کے لیے آیا اور کہا، کاش مجھ کو مجرم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کا سر اڑا دیتا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا، یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دیتے اور نہ یہ واقعہ پیش آتا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک دن حجّاج خطبہ دے رہا تھا۔ اس کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا، آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔ اس پر حجاج بڑا فروختہ ہو گیا اور ان کا دشمن بن گیا۔

ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام مناسکِ حج حضرت ابنِ عمرؓ کی اقتدار میں ادا کیے جائیں۔ حجّاج بن یوسف کو یہ حکم سخت ناگوار گزرا لیکن خلیفہ کے حکم سے مجبور تھا۔ اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ حضرت ابنِ عمرؓ کو نیزے کی زہر آلود نوک سے زخمی کرا دیا۔

ابنِ سعدؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج کو خطبہ دیتے دیتے شام ہو گئی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت ابنِ عمرؓ نے کہا "اے شخص نماز کا وقت آ گیا ہے اب بیٹھ جا۔" ان الفاظ کا تین بار اعادہ کیا لیکن اس نے خطبہ جاری رکھا۔ چوتھی بار انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر میں اٹھ جاؤں تو کیا تم لوگ اٹھنے کے

لیے تیار رہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم تیار ہیں۔ یہ کہہ کر اٹھے اور حجاج سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے تمہیں نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ اب حجاج منبر سے اترآیا اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ کو بُلا کر پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا، ہم نماز کے لیے آتے ہیں اس لیے جب نماز کا وقت آجائے تو ٹھیک وقت پر نماز پڑھ لو اس کے بعد جو چاہو کہتے رہو۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی اسی صاف گوئی کی وجہ سے حجاج ان کا دشمن بن گیا اور زہر آلودہ نیزہ سے حج کی بھیڑ بھاڑ میں انہیں زخمی کرا دیا۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی دلی تمنا تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں وفات پائیں لیکن قدرت نے ان کی وفات مکہ معظمہ میں لکھ رکھی تھی۔ وفات سے پہلے اپنے فرزند سالمؒ کو وصیت کی کہ اب میں یہاں وفات پا رہا ہوں تو مجھے حدودِ حرم کے باہر دفن کرنا۔ انہوں نے والدِ گرامی کی وصیت پر عمل کرنا چاہا لیکن حجاج نے مداخلت کی اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھا کر "فخ مہاجرین" کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔

۵

علم فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا شمار ان صحابۂ کبارؓ میں ہوتا ہے جو جملہ دینی علوم کا بحرِ بے پایاں تھے۔ انہیں نہ صرف سالہا سال تک فیضانِ نبوی سے براہِ راست بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا بلکہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے نابغۂ عصر والد کی تعلیم و تربیت بھی میسر آئی۔ اس طرح وہ فضل و کمال کے اتنے بلند مقام پر فائز ہو گئے کہ بڑے بڑے فضلاء صحابہؓ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم اور اس کی تفسیر سے اتنا شغف تھا کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ قرآنی سورتوں اور آیات پر فکر و تدبر میں گزارتے تھے۔ مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ انہوں نے صرف سورۂ بقرہ پر فکر و تدبر میں چودہ برس صرف کیے۔ عہدِ رسالت میں انہیں اکابر صحابہؓ کے ساتھ اکثر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوتی

تھی، اس طرح ان کو قرآنِ حکیم کی تفسیر اور تفہیم میں غیر معمولی بصیرت حاصل ہوگئی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ صحابۂ کرامؓ کے مجمع میں رونق افروز تھے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی موجود تھے۔ حضورؐ نے قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ (سورۂ ابراہیم)

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا اور میوے دیتا ہو)

پھر آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ اس آیت میں کس درخت کی مثال دی گئی ہے؟ تمام صحابۂ کرامؓ خاموش رہے تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ بعد میں حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے والدِ گرامی حضرت عمرؓ کو بتایا کہ میں سمجھ چکا تھا کہ یہ کھجور کے درخت کی مثال ہے لیکن بزرگ صحابہ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹے اگر تم اس مجلس میں بتا دیتے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

قرآنِ حکیم میں فہم و بصیرت کے علاوہ حضرت ابنِ عمرؓ کو حدیث سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ان سے ایک ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں۔ ان میں ۱۷۰ متفق علیہ ہیں۔ ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ وہ حضورؐ کے نہ صرف ان ارشادات کو جو آپؐ سے براہِ راست سنتے تھے، حرزِ جان بنا لیتے تھے بلکہ ان کو بھی جو دوسروں کی وساطت سے ان تک پہنچتے تھے یاد رکھتے تھے، اس طرح حفاظِ حدیث میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہوگیا تھا۔ بایں ہمہ وہ روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے اور اسی وقت کوئی حدیث بیان کرتے تھے جب پورا یقین ہوتا تھا کہ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہے۔ اسی شدتِ احتیاط کی بنا پر ان کی مرویات کو بہت مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض، اُمّ المومنین حضرت حفصہ رض، حضرت عبداللہ رض بن مسعود، حضرت بلال حبشی رض، حضرت صہیب رومی رض، حضرت زید رض بن ثابت اور حضرت رافع رض بن خدیج جیسے عظیم المرتبت صحابہ رض و صحابیات رض شامل ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں سالم رح، عبید اللہ رح، عبید اللہ رح، محمد رح، نافع رح، حفص رح، عروہ بن زبیر رح، موسیٰ بن طلحہ رح، ابو سلمہ رح بن عبدالرحمن رح، سعید رح بن مسیب رح، قاسم رح، ابو بردہ رح بن ابو موسیٰ اشعری رح، سعید بن یسار رح، عکرمہ رح، مجاہد رح، سعید بن جبیر رح، طاؤس رح، عطاء رح، ابو الزبیر رح اور ابی ملیکہ رح کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

فقہ جس پر تشریع اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابنِ عمر رض کو اس میں بھی درجۂ تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تعلیم و تعلم اور درس و افتاء میں گزارا۔ حافظ ابنِ قیم رح کہتے ہیں کہ "اگر حضرت ابنِ عمر رض کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔" فقۂ مالکی کا تمام تر دارومدار حضرت ابنِ عمر رض ہی کے فتاویٰ پر ہے۔ امام مالک رح کا قول ہے کہ حضرت ابنِ عمر رض ائمہ دین میں سے تھے۔ اپنے تفقہ فی الدین کی بنا پر حضرت ابنِ عمر رض فقیہ الاُمّت کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ وہ فتویٰ دینے میں بے حد محتاط تھے۔ اگر کسی بات میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو ہرگز فتویٰ نہ دیتے اور مستفتی کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ یہ مسئلہ مجھے معلوم نہیں۔ قیاس و اجتہاد میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا لیکن اس سے اسی وقت کام لیتے جب کتاب و سنت میں کسی مسئلہ کے بارے میں واضح احکام نہ ملتے ہوں۔ ایسا کرتے وقت وہ مستفتی سے صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے اس کے باوجود بڑے بڑے ائمہ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔

دینی علوم کے علاوہ حضرت ابنِ عمر رض عرب کے دیگر علوم شاعری، خطابت اور نسابی میں بھی درک رکھتے تھے لیکن ان میں اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بحیثیت مجموعی وہ علم و فضل کے مجمع البحرین تھے اور بقول ابنِ سعد رح ایک زمانہ میں لوگ دُعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی ہماری زندگی میں ابنِ عمر رض کو زندہ رکھ تاکہ ہم ان کے چشمۂ فیض

سے سیراب ہوتے رہیں، آج ان سے زیادہ عہدِ رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔

(۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گلشنِ اخلاق میں حُبِّ رسولؐ، اتباعِ سُنّت، خشیتِ الٰہی، شوقِ جہاد و عبادت، زُہد و تقویٰ، فیاضی و ایثارِ نفسی، تواضع و انکسار، استغنا و قناعت، سادگی اور حق گوئی دیبا کی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

حُبِّ رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ عہدِ رسالت میں زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ کا وصال ہوا تو وہ اس قدر مغموم اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا۔ جب بھی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آتا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ جب غزواتِ رسولؐ کے مقامات سے گزر ہوتا تو آنکھوں کے سامنے عہدِ رسالت کا نقشہ کھنچ جاتا اور اشکبار ہو جاتے۔ کوئی ان کے سامنے حضورؐ کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رونے لگتے۔ یحییٰ بن یحییٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ بعض لوگ حضرت ابنِ عمرؓ کے عشقِ رسولؐ کی کیفیت دیکھ کر انہیں مجنون تک کہنے لگے تھے۔ دراصل حضرت ابنِ عمرؓ کو عشقِ رسولؐ کی بنا پر پابندیٔ سُنّت کا والہانہ جنون تھا اور ان کی زندگی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین و دلکش زندگی کا پرتوِ جمیل بن گئی تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی نہایت شدت کے ساتھ اتباعِ سُنّت کا التزام کرتے تھے حتیٰ کہ اتفاقی اور بشری عادات میں بھی وہ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ سفر و حضر میں حضورؐ نے جہاں کبھی نماز ادا کی، حضرت ابنِ عمرؓ بھی وہاں نماز ادا کرتے تھے جہاں آپؐ نے آرام فرمایا وہاں آرام کرتے تھے۔ جہاں آپؐ نے تھوڑی دیر کے لیے قیام فرمایا، حضرت ابنِ عمرؓ نے بھی وہاں ضرور قیام کیا۔ جن درختوں کے سایہ میں حضورؐ نے کبھی آرام فرمایا تھا، حضرت ابنِ عمرؓ ان کو پانی دیتے رہتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں اور وہ بھی ان کے سایہ میں آرام کر کے سُنّت کی پیروی کر سکیں۔ جب سفر سے

لوٹتے تو سب سے پہلے روضۂ نبوی پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے۔ مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کے غلام نے تنگدستی کی بنا پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی۔ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی غیر معمولی محبت تھی اور وہ لوگوں کو اکثر ان کے فضائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ مناسکِ حج کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسکِ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سنن کا بدرجۂ غایت لحاظ رکھتے تھے یہاں تک کہ آپؐ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور طہارت کرتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جو حضورؐ نے اختیار کیا تھا۔ حضورؐ ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، حضرت ابنِ عمرؓ بھی ذوالحلیفہ میں ضرور نماز پڑھتے تھے۔ حضورؐ نے جن مقامات پر منزل کی تھی وہ بھی وہاں منزل کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قبا میں کبھی پاپیادہ اور کبھی سواری پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضورؐ مکہ میں داخل ہونے سے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابنِ عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ حضورؐ اپنے جاں نثاروں کی دعوت ہمیشہ قبول فرما لیا کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی کسی کی دعوت رَد نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ روزہ کی حالت میں بھی دعوت میں تشریف لے جاتے تھے گو کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ غرض وہ تمام کاموں میں اسوۂ نبویؐ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔

حضرت ابنِ عمرؓ نے نہایت گداز دل پایا تھا۔ خوفِ خدا اور روزِ جزا سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ کوئی آیت جس میں محاسبۂ آخرت کا ذکر ہوتا، سنتے تو لرزہ براندام ہو جاتے اور رونے لگتے۔ ایک دن عبید بن عمر سے یہ آیت سنی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۔

(اے رسولؐ! آخرت کے) اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لاکھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔)

آیت سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی اور گریبان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

خشیتِ الٰہی نے ان کے دل میں جہاد اور عبادت کا ایسا شوق پیدا کر دیا تھا کہ ان کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہادِ فی سبیل اللہ میں برابر حصہ لیتے رہے۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ قائم اللیل اور دائم الصوم تھے (نہایت کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے اور نہایت کثرت سے روزے رکھتے تھے) بعض اوقات ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ساٹھ حج کیے اور ایک ہزار عمرے۔

زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ جوانانِ قریش میں عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص اپنے نفس پر قابو رکھنے والا نہیں تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ آغازِ شباب ہی میں مسجد میں جاکر سویا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دوزخ کے فرشتوں کو دیکھا۔ دوسرے دن اس کا ذکر اپنی بہن اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ سے کیا۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "عبداللہ جوانِ صالح ہے۔"

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سوائے ابنِ عمرؓ کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو دنیا کی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔ جو شخص حضورؐ کے کسی ایسے صحابی کو دیکھنا چاہے جس میں آپؐ کے وصال کے بعد بھی مطلق کوئی تغیر نہیں ہوا تو وہ ابنِ عمرؓ کو دیکھے۔

ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں جوارش (یا چورن) لے کر حاضر ہوا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے کہا، ہاضم طعام۔ انہوں نے فرمایا، مجھے اس کی کیا ضرورت ہے، میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک مرتبہ کسی سے پانی مانگا۔ اس نے شیشے کے پیالے میں لاکر پیش کیا، انہوں نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر ان کے سامنے لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا گیا، اب انہوں نے پی لیا۔ پانی پی کر وضو کے لیے برتن مانگا تو ان کے سامنے طشت و آفتابہ لایا گیا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے تمام اثاث البیت کی قیمت لگائی تو سو درہم سے زیادہ کا سامان نہ تھا۔ اس میں فرش اور بستر بھی شامل تھا۔

حضرت ابن عمرؓ کے پاس دنیا کئی بار پورے سازوسامان کے ساتھ آئی لیکن انہوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ان کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر چاہتے تو بڑے سے بڑے عہدہ کیا، مسندِ خلافت تک پہنچ سکتے تھے۔ زر و جواہر سمیٹنا چاہتے تو اپنے دور کے متمول ترین آدمی بن سکتے تھے لیکن انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اپنے زہد و تقویٰ سے باہر قدم نہ نکالا۔ ان کے زمانے میں جو سیاسی لڑائیاں ہوئیں انہوں نے ان میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ خانہ جنگی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے ہر امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے اور نتائج کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تمام کام جو خود کر سکتے تھے اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھلانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے۔ لباس عموماً نہایت معمولی پہنتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی زیب تن کر لیتے تھے وہ بھی اس لیے کہ ایک دو مرتبہ حضورؐ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ لباس قمیص، ازار اور سیاہ عمامہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ازار نصف ساق تک ہوتا تھا۔ حضورؐ کو زرد رنگ پسند تھا اس لیے ان کو بھی زرد رنگ مرغوب تھا۔

دسترخوان بھی تکلفات سے خالی ہوتا تھا۔ بعض اوقات ایک بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے۔ انہیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں کسی قسم کی نمائش یا تکلف کی آمیزش ہوتی یہاں تک کہ جمعہ کے دن کے سوا کبھی سر، ڈاڑھی اور کپڑوں میں خوشبو نہیں لگائی۔

(۷)

دنیوی حیثیت سے حضرت ابن عمرؓ بہت مرفہ الحال تھے۔ دینی خدمات کی بناء پر ان کا ڈھائی ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے مطابق وہ بہت سی لگانی زمینوں کے مالک بھی تھے لیکن وہ اپنے مال کو بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ فیاضی اور سیر چشمی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ بیسیوں فقراء و مساکین ان کے دسترخوان پر پرورش پاتے تھے۔ عموماً کسی مسکین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، بلکہ بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا بھی مسکینوں کو کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کو مچھلی کی خواہش ہوئی جب مچھلی بھون کر ان کے سامنے رکھی گئی تو ایک سائل کا گزر ہوا وہ اٹھا کر اس کو دے دی۔

ایک دفعہ علیل ہوئے اور ان کے لیے انگور کے چند دانے ایک درہم کو خریدے گئے، اتفاق سے ایک سائل آ گیا۔ انہوں نے حکم دیا، یہ انگور اس کو دے دو۔ اہل خانہ نے عرض کیا، آپ ان کو کھالیں ہم اس کو کچھ اور دے دیں گے، لیکن وہ مُصر ہوئے کہ یہ انگور سائل کو دے دو۔ مجبوراً وہی دینے پڑے اور پھر اس سے خرید کر ان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

ایک مرتبہ راستے میں ایک کھجور پائی، منہ تک لے جانے بھی نہ پائے تھے کہ ایک سائل کا گزر ہوا انہوں نے یہ کھجور اس کو دے دی۔

طبقات ابن سعد میں حضرت ابن عمرؓ کے غلام اور شاگرد نافعؒ سے روایت

ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ہزار درہم یا دینار (اس کی تصریح نہیں کی گئی) آئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دینے شروع کیے یہاں تک کہ سب ختم کر ڈالے تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو دوسرے لوگوں سے (جنہیں پہلے دے چکے تھے) قرض لے کر دیئے۔

کہیں قیام ہوتا تو اکثر روزہ رکھتے تھے لیکن کوئی مہمان آجاتا تو روزہ توڑ دیتے اور فرماتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ (نفلی) رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اِصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو آئے دن خیرات کرتے رہتے تھے لیکن بعض اوقات بیس بیس اور تیس تیس ہزار کی رقمیں بھی یکمشت راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے۔

اگر کبھی کوئی غلام یا لونڈی بہت پسند ہوتی یا اپنے کسی غلام کو بہت عبادت گزار دیکھتے تو اس کو آزاد کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے۔

ایک دفعہ سفرِ حج کے لیے ایک اونٹنی خریدی، سوار ہوئے، تو اس کی چال بہت پسند آئی، فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے اونٹوں میں شامل کر دو۔

ایک مرتبہ چند دوستوں کے ساتھ مدینہ کے ایک نواحی علاقے میں تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر دستر خوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا اُدھر آنکلا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا، اتنی گرمی میں روزہ رکھتے ہو اور پھر بکریاں بھی چراتے ہو؟ پھر اس سے پوچھا، کیا یہ بکریاں ہمارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو، ہم تمہیں نقد قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لیے گوشت بھی۔

چرواہے نے عرض کیا، یہ بکریاں میری نہیں ہیں ان کا مالک میرا آقا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے (اس کے تقویٰ کا امتحان لینے کی خاطر) فرمایا، تو تمہارا آقا کیا کرے گا؟

چرواہے نے آسمان کی طرف انگلیاں اٹھائیں اور این اللہ این اللہ (اللہ کہاں ہے اللہ کہاں ہے) کہتا ہوا چلا۔ (مطلب یہ تھا کہ اللہ تو اس بد دیانتی کو جانے گا)۔
حضرت ابن عمرؓ کو اس کا یہ قول بہت پسند آیا اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ چونکہ اس کی دیانت اور خدا خوفی سے بے حد خوش ہوئے تھے اس لیے جب مدینے آئے تو اس کے آقا سے بکریوں سمیت خرید کر آزاد کر دیا اور تمام بکریاں بھی اس کو بخش دیں۔
ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بدّو ملا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا۔ ابن دینارؒ ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا، اللہ آپ کو صلاحیت دے، یہ بدو تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں (گدھا اور عمامہ دینے کی کیا ضرورت تھی) فرمایا، اس کے والد میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔
حضرت ابن عمرؓ کے بعض غلام آزاد ہونے کے لیے بڑے عبادت گزار بن جاتے تھے۔ ان کے بعض احباب نے عرض کیا کہ یہ لوگ عبادت میں مخلص نہیں ہیں اور آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا، جو شخص ہم کو اللہ کے ذریعے دھوکا دیتا ہے ہم اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔
ان کے ہاتھ سے جو مال نکل جاتا تھا اس کو پھر واپس نہیں لیتے تھے۔ عطاءؒ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے ان کو دو ہزار درہم قرض دیئے۔ انہوں نے جب اس قرض کو چکایا تو میں نے ان کے درہموں کا وزن کیا وہ وزن میں دو سو درہم زیادہ نکلے۔ میں نے یہ دو سو درہم واپس کرنے چاہے تو فرمایا، اب یہ تمہارے ہیں۔
چونکہ اکثر اپنا کھانا مسکینوں کو کھلا دیتے تھے اس لیے بہت لاغر ہو گئے تھے۔ لوگوں نے ان کی بی بی کو ملامت کی کہ آپ ان کی خدمت اچھی طرح نہیں کرتیں۔ انہوں نے کہا، میں کیا کروں، جب ان کے لیے کوئی کھانا پکتا ہے تو وہ مساکین کو کھلا دیتے ہیں۔ ان کی اس عادت کی بنا پر جب وہ مسجد سے نکلتے تو فقراء و مساکین ان کے

راستے میں آ بیٹھتے وہ انہیں اپنے ساتھ لے آتے اور کھانا کھلا کر بھیجتے۔ چنانچہ ایک دن ان کی بی بی نے ان فقراء کے گھروں پر کھانا بھجوا دیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ ان کے راستے میں مت بیٹھنا اور وہ بلائیں بھی تو مت آنا۔

حضرت ابن عمرؓ اس دن مسجد سے نکلے تو کسی فقیر کو راستے میں بیٹھا نہ پایا، گھر آئے تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ سے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ مساکین میرے دسترخوان پر نہ ہوں اور میں رات فاقہ سے بسر کروں۔ چنانچہ اس رات کو کھانا نہ کھایا اور بھوکے پڑے رہے۔

⑧

اپنی جلالتِ قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمرؓ تواضع، انکسار اور اخلاقِ حَسنہ کا مجسمہ تھے۔ لوگوں کو سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کیا کرتے تھے اس میں امیر غریب کی بالکل تفریق نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں بازار میں اس لیے نکلتا ہوں کہ لوگوں کو سلام کروں اور (جواب میں) مجھ پر سلام کیا جائے۔ اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا، جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنا کام خود کرتے تھے یہاں تک کہ خود اونٹ کا پاؤں دباتے تو میں اس پر سوار ہوتا۔

مُسندِ احمد میں ہے کہ اپنی تعریف سننا ان کو سخت ناپسند تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی تعریف کر رہا تھا انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں (خوشامدیوں) کے منہ میں مٹی ڈالا کرو۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمایا، بھائی ہم لوگ عالی نسب ہیں۔ پھر خاموش ہو گئے۔ (الاصابہ)

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ فرمایا، جو تم کہو میں وہی

ہوں، اس نے کہا، آپ سبط ہیں، آپ وسط ہیں۔

فرمایا، سبحان اللہ، سبط تو بنی اسرائیل تھے اور وسط تمام اُمتِ محمدؐیہ ہے البتہ ہم قبیلہ مضر کے اوسط ہیں۔ اس سے زیادہ رتبہ کوئی ہمیں دیتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

وہ ہمیشہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کو وضو کرائے۔

ایک دفعہ کسی نے ان کو نہایت بیش قیمت ہروی کپڑے ہدیۃً پیش کیے۔ انہوں نے ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن ہم کبر و غرور کے خوف سے ان کو نہیں پہن سکتے۔

ایک دفعہ حالتِ احرام میں سردی محسوس ہوئی تو اپنے ایک شاگرد قرعہ عقیلی سے فرمایا، میرے اوپر چادر ڈال دو۔ انہوں نے چادر اوڑھا دی۔ بیدار ہوئے تو اس کے نقش و نگار اور بوٹوں کو جو ریشمی تھے، دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا، اگر یہ بوٹے نہ ہوتے تو اس کے اوڑھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

اگر کسی ایسی جگہ تشریف لے جاتے جہاں لوگ انہیں دیکھ کر ازراہِ تعظیم کھڑے ہو جاتے تو وہاں نہ بیٹھتے تھے۔ (ابنِ سعد)

غلاموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ بلکہ مساویانہ ہوتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور اپنے اہل و عیال کی طرح ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو کھانا کھلانے میں دیر ہو گئی۔ حضرت ابنِ عمرؓ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ اور حکم دیا کہ انہیں فوراً کھانا کھلایا جائے۔ پھر فرمایا، انسان کے لیے یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھے۔ (مسلم)

دستر خوان پر بیٹھے ہوتے اور کسی دوسرے کا غلام بھی وہاں آجاتا تو اس کو بھی شریکِ طعام کر لیتے۔ انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب مجھے خط لکھو تو اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھو، حالانکہ اس وقت کے رواج کے

مطابق آقا کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ (ابن سعد)

غلاموں کو نہ کبھی سخت سست کہتے تھے اور نہ کبھی ان پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اگر کبھی ایک آدھ مرتبہ غصہ کی حالت میں کسی غلام پر سختی کر بیٹھے تو کفارہ کے طور پر اس کو آزاد کر دیا۔ (صحیح مسلم)

اپنے اخلاقِ حسنہ، تواضع اور انکسار کی بدولت انہیں عوام الناس میں درجۂ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا۔ لوگ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے تو قدم قدم پر لوگ ان کو سلام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مجاہدؒ ساتھ تھے، ان سے مخاطب ہو کر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا، لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر سونے چاندی کے بدلے میں بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔ (طبقات ابنِ سعد)

⑨

حضرت ابنِ عمرؓ کی طبیعت میں استغنا اور قناعت کا مادہ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ سُنّتِ نبوی کے مطابق ہدیہ قبول کر لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ علامہ ابنِ سعدؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں کسی سے مانگتا نہیں لیکن جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا۔" ایک دفعہ ان کی پھوپھی رملہؓ نے دو سو دینار بھیجے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیے اور انہیں دعا دی۔

ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ہارون نے ان کو لکھا کہ آپ کی جو حاجت ہو، مجھ سے طلب فرمائیے۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اپنے اہل و عیال سے (لینے دینے کی) ابتدا کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ میرا خیال ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر کا ہے اور لینے والا نیچے کا۔ میں آپ سے نہ سوال کروں گا اور نہ اس مال کو رد کروں گا جس کو خدا نے میری طرف بھیجا ہے۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ کی رقم ایک خاص مقصد کے لیے انہیں بھیجی لیکن انہوں نے یہ رقم قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

مال و دولت ان کے نزدیک بالکل بے حقیقت شے تھی۔ اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ مالی ہدیہ خلوص سے نہیں بلکہ کسی ذاتی غرض سے پیش کیا گیا ہے تو اس کو قبول نہ کرتے۔ اسی طرح کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی خیال ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنی والدہ پر ایک غلام صدقہ کیا۔ اتفاق سے اس غلام کے ساتھ بازار گئے وہاں ایک شیر دار بکری فروخت ہو رہی تھی۔ انہوں نے غلام سے کہا، اپنے مال سے اس کو خرید لو۔ اس نے خرید لی اور افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا، یہ دودھ بکری کا ہے، بکری غلام کے مال کی ہے اور غلام صدقہ کا ہے، اس کو ہٹاؤ میں نہیں پیوں گا۔

مشتبہ چیزوں سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کھجور کا سرکہ بطور ہدیہ بھیجا پوچھا، کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے۔ انہوں نے اس کو فوراً پھینکوا دیا کیونکہ اس کے استعمال سے سُکر پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ ککڑی اور خربوزہ صرف اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ ان میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔ (یہ ان کی شدتِ احتیاط تھی ورنہ ان چیزوں کے استعمال میں کوئی کراہت نہیں)

مروان بن الحکم نے اپنے زمانہ میں راستوں پر میل کے سنگی نشان نصب کرائے تھے حضرت ابن عمرؓ ان پتھروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور ان سے ہٹ کر نماز پڑھتے تھے کیونکہ ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ تھا۔

۱۰

حضرت ابن عمرؓ کی زندگی ہمیشہ مصالحانہ اور مرنجاں مرنج رہی۔ انہوں نے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں حصہ لیا نہ حکومتِ وقت کے خلاف کسی سرگرمی میں۔ تاہم جس بات

کو حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار کرتے تھے خواہ حاکمِ وقت کی پیشانی پر بل ہی کیوں نہ پڑ جائیں۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی کے کچھ واقعات اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ اکثر مؤرخین کی رائے میں ان کی یہی حق گوئی ان کی شہادت کا باعث بنی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ مچھر کے خون کا کفارہ کیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، عراقی۔ فرمایا، لوگو ذرا اس کو دیکھنا یہ شخص مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے حالانکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے جن کے بارے میں حضورؐ فرماتے تھے کہ یہ دونوں (حسنؓ و حسینؓ) میرے باغِ دنیا کے دو پھول ہیں۔

سانحۂ کربلا کے بارے میں اس طرح کے جذبات کا اظہار اربابِ اقتدار کو مشتعل کر سکتا تھا لیکن حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کی کبھی پروا نہیں کی، جو دل میں ہوتا وہ بلا جھجک زبان پر لے آتے۔

حضرت ابنِ عمرؓ نہایت صائب الرائے اور دانا تھے۔ اہلِ سیَر نے ان کے متعدد حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں جن سے ان کی غیر معمولی بصیرت و حکمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔
- علم تلاش کرو چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔
- دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے سے پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔
- جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو اسی طرح غصہ بھی پی جایا کرو۔
- بندہ خواہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو مگر جب اس کو دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے۔
- آدمی اس وقت اہلِ علم کی جماعت میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہیں کرے گا، اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے گا

اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا۔

- اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہو گا۔
- گناہ کرنا چاہتے ہو تو وہ جگہ تلاش کرو جہاں اللہ موجود نہ ہو۔
- عبادت کی لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی ڈھونڈو، دوستوں اور واقف کاروں سے علیحدگی اختیار کرو مگر یہ اس وقت جب روزی تلاش کر لو اور اہل وعیال کو میٹھی نیند سو لینے دو۔
- میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں اور پھر لوگوں کو سناتا ہوں۔

سیدنا ابن عمرؓ شکل وصورت میں اپنے جلیل القدر والد حضرت عمر فاروقؓ کے مشابہ تھے۔ دراز قد، گندمی رنگ اور بھاری بھرکم جسم، کندھوں تک کاکلیں تھیں جن میں کبھی کبھی مانگ نکالا کرتے تھے۔ ڈاڑھی بقدر یک مشت۔ مونچھیں بہت باریک کترواتے تھے۔ بقول ابن سعدؒ زرد خضاب کرتے تھے۔

تمام صحابہؓ وتابعین جنھوں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا تھا بالاتفاق ان کے اوصاف حمیدہ، تبحر علمی اور جلالت قدر کے معترف اور مداح تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہد رسالت کی حالت وکیفیت کا عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ پابند کوئی نہیں رہا۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ نہیں بدلے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابن عمرؓ ہیں۔ میمون بن مہرانؒ کہتے تھے کہ میں نے ابن عمرؓ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔ حضرت سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے تھے کہ میں نے ابن عمرؓ کی وفات کے بعد ان جیسا کوئی نہیں دیکھا وہ فضیلت میں اپنے والد کے قریب تھے۔ حضرت علی بن حسینؓ زین العابدین فرماتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کو زہد وتقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر برتری حاصل تھی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ،

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ترجمان القرآن

۱

اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ اپنے ایک نوعمر بھانجے کو بہت عزیز رکھتی تھیں، بھانجے کو بھی نہ صرف خالہ سے بڑی محبت تھی بلکہ اپنے عالی مقام خالو جناب سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے انتہا محبت اور عقیدت تھی۔ اسی لیے وہ اکثر خالہ محترمہ کے گھر آجاتے تھے۔ وہاں دوڑ دوڑ کر حضورؐ کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتے تھے اور آپؐ سے دعائیں لیتے تھے۔ بعض اوقات وہ رات کو بھی خالہؓ ہی کے گھر ٹھہر جاتے تھے۔ اس طرح اُن کو حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسّر آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورؐ رات کے پچھلے پہر نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ سعادت مند صاحبزادے بھی آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کر لیا۔ اُس وقت تو وہ ساتھ کھڑے ہو گئے مگر جونہی حضورؐ نے نماز شروع کی، وہ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے ان سے پوچھا —— "میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا، تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟"

انھوں نے نہایت ادب سے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ، کس کی مجال ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

(میں اور حضورؐ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھوں؟ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے)"

حضورؐ ان کے جواب پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا کی:۔

"الٰہی اس لڑکے کو علمِ کثیر عطا فرما اور اس کو اور زیادہ فہم و فراست سے نواز۔"

اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہ نوعمر بھانجے جن کے حق میں —— دانائے کونین

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدیادِ علم وفہم کی دعا فرمائی اور اُن کے جذبۂ ادب واحترامِ رسالت پر خوشنودی کا اظہار فرمایا، دودمانِ ہاشمی کے چشم وچراغ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے

۲

سیّدنا حضرت ابوالعباس عبداللہ بن عباسؓ ان عظیم المرتبت صحابہؓ میں سے ہیں جو علم وفضل کے اعتبار سے اساطینِ اُمّت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خاندانی شرف ومجد کے بارے میں اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت عبّاسؓ بن عبدالمُطّلب کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ان کی والدہ حضرت اُمّ الفضل لبابہؓ ان جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں جن کو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد (خواتین میں سے) سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہؓ کی حقیقی خالہ تھیں۔ اس نسبت سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے، چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ، خالو بھی ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور القاب یہ ہیں :-

الحِبر (بہت بڑے عالم)، البحر (علم کے سمندر)

ترجمان القرآن اور امام المفسّرین۔

حضرت عباسؓ کے اور بھی کئی فرزند تھے لیکن جب "ابنِ عباسؓ" کہا جاتا ہے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ہجرتِ نبوی سے تین سال پہلے مکّہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں مشرکینِ قریش نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلب کو شعبِ ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا، حضرت عبداللہؓ اسی شعب میں پیدا ہوئے۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی ولادت کے بعد حضرت عباسؓ ان کو گود میں اٹھا کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن نومولود کے منہ میں ڈالا اور ان کے لیے دعائے خیر وبرکت کی۔ بہت سے اربابِ سیَر نے لکھا ہے کہ

حضرت عباسؓ ہجرتِ نبوی سے قبل مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا تھا۔ اس کا اعلان انہوں نے فتح مکہ (۸ ہجری) سے کچھ عرصہ پہلے کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے البتہ ان کی اہلیہ حضرت اُمّ الفضلؓ بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں علی الاعلان مسلمان ہو گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی پیدائش کے پہلے دن ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی۔ والدین کے ساتھ ہجرت کے وقت ان کی عمر گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ان کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور آپؐ کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کا خوب خوب موقع ملا۔ وہ خود بھی حضورؐ سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور والدِ محترم کی ہدایت بھی تھی اس لیے بارگاہِ رسالت میں اکثر حاضر ہوتے تھے اور آپؐ کے ارشادات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ایک دن بارگاہِ نبوی سے واپس آکر حضرت عباسؓ سے ذکر کیا کہ آج میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو دیکھا جن کو میں نہیں پہچانتا کیا اچھا ہوتا اگر مجھے ان کے بارے میں علم ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہؓ کی بات کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے ان کو طلب فرما کر فرطِ محبت سے اپنی آغوش میں لے لیا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:۔

"الٰہی اس پر اپنی برکت نازل فرما اور اس کو علم کا نور پھیلانے کا ذریعہ بنا۔" (الاصابہ)

حضرت عبداللہؓ اگرچہ نہایت سلیم الفطرت تھے لیکن پھر بھی لڑکپن کا زمانہ تھا اس لیے کبھی کبھی اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے مدینہ منورہ کی گلیوں میں نکل جاتے تھے۔ اسی دور کا ایک واقعہ ان کو عمر بھر یاد رہا۔ خود بیان کرتے ہیں کہ:۔

"میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو دوڑ کر ایک گھر کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن حضورؐ نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ آپؐ نے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ

پھیر کر فرمایا، جاؤ معاویہؓ کو بلالاؤ۔ وہ آپؐ کے کاتبِ وحی تھے۔ میں دوڑا دوڑا حضرت معاویہؓ کے پاس گیا اور ان کو بلا لایا۔" (مسندِ احمدؒ)

حضرت عبداللہؓ اکثر اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کبھی کبھی کاشانۂ رسالت میں ہی سو رہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ کے پاس سو رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرمائی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز شروع کی۔ میں بھی آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرا سر پکڑ کر مجھے دائیں طرف کر دیا۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے بیدار ہوئے تو وضو کے لیے ایک برتن میں پانی موجود پایا۔ وضو فرمانے کے بعد آپؐ نے اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ سے پوچھا، وضو کے لیے پانی کون لایا تھا؟ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اشارہ کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور دعا کی :-

"اے اللہ اس کو تفقّہ فی الدّین عطا کر اور تاویل کا طریقہ سکھا۔"

اسی قسم کا ایک واقعہ جس میں حضرت ابنِ عباسؓ نے ازراہِ ادب نماز میں حضورؐ کے برابر کھڑے ہونے سے گریز کیا اور آپؐ سے دعائیں لیں، اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ غرض لڑکپن میں ان کو بارہا سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور آپؐ سے دعائیں لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابھی عمر کی تیرہ منزلیں طے کی تھیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ چونکہ عہدِ رسالت میں کمسن تھے اس لیے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضورؐ نے لڑائی میں شریک ہونے کے لیے کم از کم پندرہ برس کی عمر مقرر فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت

میں بھی انہیں کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا تاہم انہوں نے کبار صحابہؓ سے استفاضہ کرنا شروع کر دیا اور ان کی شہرت ایک انتہائی ذہین و فطین اور صاحبِ علم نوجوان کی حیثیت سے پھیلنے لگی۔ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا اور ان کی حوصلہ افزائی اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ وہ اپنی علمی صحبتوں میں جہاں اکابر صحابہؓ کو بلاتے تھے وہاں حضرت ابنِ عباسؓ کو بھی شریک کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھے اصحابِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے ایک مرتبہ بعض بزرگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں (یا یہ کہ ان کے ہمعصر ہمارے لڑکوں کو آپ یہاں بیٹھنے کا موقع نہیں دیتے) حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت کا تمہیں بھی علم ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس میں کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا جس کا جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ دینا چاہتے لیکن اپنی کم عمری کی بناء پر اکابر صحابہؓ کے سامنے بات کرنے سے جھجکتے تو امیر المؤمنینؓ بدیں الفاظ ان کی حوصلہ افزائی کرتے "ابنِ عباس، علم عمر کی کمی یا زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے آپ کو حقیر نہ جانو، جو بات ہوا کرے یا جو دل میں خیال آیا کرے صاف صاف بیان کر دیا کرو۔" (صحیح بخاری)

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ ان کو بہت محبوب تھے۔

"دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں متعدد اربابِ سیر کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ خوش اخلاقی، وجاہت اور تفقہ فی کتاب اللہ کے باعث حضرت عمرؓ، حضرت ابنِ عباسؓ کی بہت قدر کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورے کیا کرتے تھے اور اکثر ان کی رائے پر عمل کرتے اور کہتے تھے کہ ابنِ عباسؓ تم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ وہ فتی الکھول یعنی بوڑھوں کے جوان یا نوجوان بزرگ ہیں، ان کی زبان بکثرت سوال پوچھنے والی اور دل بڑا عقلمند ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی تسخیر پر مامور فرمایا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی جہاد کے لیے مصر تشریف لے گئے (۱۸ھ سے ۲۱ھ کے درمیان کسی وقت)۔ (دائرۂ معارف اسلامیہ)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں عبداللہؓ بن ابی سرح کی سرکردگی میں افریقیہ پر فوجکشی ہوئی (۲۷ھ) تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بھی ایک جماعت کی معیت میں شریک مہم ہوئے۔ ایک موقع پر انہیں سفیر بنا کر افریقیہ کے حاکم جرجیر (گریگوری GREGORY) کے پاس بھیجا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے جرجیر کے ساتھ ایسی عمدگی سے گفتگو کی کہ وہ ان کی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت پر ششدر رہ گیا اور اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آگئے:

"آپ حبر عرب (یعنی عرب کے بہت بڑے عالم) ہیں۔"

۲۹-۳۰ھ ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حکم پر حضرت سعیدؓ بن عاص والئ کوفہ نے جرجان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعیدؓ بن عاص کے لشکر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تمام نوجوانان قریش شامل تھے۔ (اسد الغابہ)

۳۵ھ ہجری میں مفسدہ پردازوں نے مدینہ منورہ پر تسلط جما لیا اور کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مقدور بھر امیر المومنینؓ کی حمایت کی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے بعض دوسرے جوانان قریش کے ساتھ مل کر کاشانۂ خلافت کے دروازے پر پہرہ بھی دیا۔ اسی دوران میں حج کا موسم آگیا۔ چونکہ امیر المومنینؓ محصور تھے اور مکہ نہیں جا سکتے اس لیے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج مقرر فرمایا اور انہیں مناسب ہدایات دے کر قافلۂ حج کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ اس طرح گویا امیر المومنینؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ وہ ابھی مکہ ہی میں تھے کہ امیر المومنینؓ کی شہادت کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ امارت حج کے فرائض

سرانجام دے کر مدینہ منورہ واپس آئے تو وہاں حشر برپا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بہت سے لوگ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر مجبور کر رہے تھے۔ انہوں نے اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے رائے دی کہ اس وقت جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جائے گی اس پر حضرت عثمانؓ کے خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا لیکن لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے اس لیے اللہ کے بھروسے پر اس بارِ گراں کو اٹھا لیجیے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں کہ "آپ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر چلے جائیے اور خاموشی کا رویّہ اختیار کیجیے۔ یہ لوگ ساری دنیا کی خاک چھان ماریں گے لیکن آپ کے سوا خلافت کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل انہیں کوئی شخص نہیں ملے گا۔ خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کو اپنے ساتھ لیں گے تو لوگ ضرور آپ پر قتلِ عثمانؓ کی تہمت لگائیں گے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گوشہ نشین ہونا مناسب نہ سمجھا اور اہلِ مدینہ کے اتفاقِ عام سے مسند نشینِ خلافت ہو گئے۔ نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کی جگہ شام کا گورنر مقرر کرنا چاہا۔ انہوں نے یہ منصب قبول کرنے سے معذرت کی اور امیر المؤمنینؓ کو مشورہ دیا کہ "امیر معاویہؓ کو موجودہ عہدے پر برقرار رکھیے اور انہیں اپنا حامی بنا لیجیے۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آتے ہیں۔"

حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا تاہم حضرت ابن عباسؓ کو بھی شام جانے پر مجبور نہ کیا۔ بہرحال حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور ان کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔

۳۶ھ میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس لڑائی میں حضرت علیؓ کی طرف سے نہایت بہادری سے لڑے۔ بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ لشکرِ مرتضوی میں اہلِ حجاز کی قیادت کر رہے تھے۔ بصرہ پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حامیوں نے قبضہ کر لیا تھا، جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی تو انہوں نے دوبارہ بصرہ پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف شدت اختیار کر گیا یہاں تک کہ صفین کی جنگ پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اہلِ بصرہ کی فوج لے کر حضرت علیؓ کی مدد کے لیے پہنچے۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی فوج کے میسرہ کا افسر بنایا۔ وہ نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے۔ اثنائے جنگ میں فریقین تحکیم (ثالثی) پر متفق ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی معاہدۂ تحکیم پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص حَکَم مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو حَکَم بنانا چاہتے تھے لیکن فریقِ مخالف نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور آپ ایک ہی ہیں حالانکہ حَکَم (ثالث) کسی غیر جانبدار شخص ہونا چاہیئے۔

تحکیم کا کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تاہم لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کو مراجعت کی اور حضرت معاویہؓ دمشق کو پلٹ گئے۔ اسی اثناء میں خوارج نے نہروان میں جمع ہو کر عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی سرکشی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے ثالثی (تحکیم) کیوں قبول کی۔ ان کے نزدیک معاملاتِ دین میں حَکَم مقرر کرنا کفر تھا۔

مُسندِ احمدؒ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ ان کو سمجھائیں بجھائیں اور بحث مباحثہ کر کے راہِ راست پر لائیں۔ حضرت ابن عباسؓ خوارج کے لشکر میں پہنچے تو ان کا ایک سردار ابن الکواء خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا اور کہنے لگا :-

"اے حاملینِ قرآن، یہ عبداللہ بن عباس ہیں میں ان کو خوب پہچانتا ہوں، ان کو ان کے دوست (علیؓ) کی طرف پلٹا دو، ہمیں مناظرہ کی ضرورت نہیں۔"

اس پر خوارج کے کچھ اور خطباء کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہم ان سے ضرور گفتگو کریں گے،

اگر انھوں نے حق بات کہی جو ہماری سمجھ میں آگئی تو ہم اس کا اتباع کریں گے اور اگر باطل کہی تو ہم ان کو قائل کریں گے۔ چنانچہ تین دن تک حضرت ابن عباسؓ اور خوارج کے درمیان قرآن حکیم کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ چار ہزار آدمیوں نے اپنے خیالات سے توبہ کی۔ ان میں ابن الکواء بھی شامل تھا۔ حضرت ابن عباسؓ ان کو حضرت علیؓ کے پاس کوفہ لے آئے لیکن باقی خوارج اپنی روش پر قائم رہے۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ۔

"اگر تم خونریزی نہ کرو، ڈاکہ زنی نہ کرو اور ذمّی رعایا کو نہ ستاؤ تو جہاں چاہو ٹھہر سکتے ہو بصورتِ دیگر میں تم سے لڑوں گا۔"

خوارج نے حضرت علیؓ کی بات نہ مانی چنانچہ امیرالمؤمنینؓ کوفہ سے ان کے استیصال کے لیے روانہ ہوئے۔ اُدھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے سات ہزار آدمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی مدد کے لیے روانہ ہوئے اور نخیلہ کے مقام پر ان کے لشکر کے ساتھ آملے۔ نہروان کے قریب حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی جس میں خوارج کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی۔

(۴)

جنگِ نہروان میں شکست کھانے کے بعد بچے کھچے خوارج ایران میں جا داخل ہوئے اور وہاں کے ذمّیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہر طرف شورش برپا کر دی۔ اہلِ ایران نے اکثر صوبوں سے حکومت کے عُمّال کو نکال دیا اور خراج اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے تمام عُمّال کو طلب کر کے اس شورش کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کیا "ایران میں حالات پر قابو پانے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔"

چونکہ بصرہ کی حدود ایران کے باغی اضلاع کی حدود سے ملتی تھیں اور حضرت ابن عباسؓ بصرہ کے فرائضِ امارت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے اس لیے حضرت علیؓ نے ان کو تمام ایران کی حکومت بھی سونپ دی اور وہاں کے

حالات پر قابو پانے کی پوری ذمہ داری ان پر ڈال دی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ واپس آکر ایک زبردست لشکر زیاد بن ابیہ کی سرکردگی میں باغیوں کی سرکوبی کے لیے ایران روانہ کیا۔ زیاد نے تھوڑے ہی عرصہ میں باغیوں کو کچل دیا اور کرمان، فارس اور ایران کے دوسرے تمام صوبوں میں مکمل امن و امان قائم کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو گئے اور مکہ معظمہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے امارتِ بصرہ سے کب استعفا دیا، اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔ بعض نے اس کا سالِ وقوع ۳۹ھ اور ۴۰ھ بتایا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی شہادت (۴۰ھ) تک بصرہ کی امارت پر فائز رہے۔

"دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں ہے کہ:

"اس بات کو باور کرنے کے لیے قوی وجوہ ہیں کہ یہ علیحدگی (امارتِ بصرہ سے) ۳۸ھ میں واقع ہوئی۔"

حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کی امارت سے علیحدگی کیوں اختیار کی؟ اس کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ قاضئ بصرہ ابو الاسود دوئلی نے ان پر بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا الزام لگایا۔ حضرت علیؓ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

"امیر المؤمنین، آپ کو جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اس کا محافظ اور نگران ہوں آپ کسی قسم کی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں۔"

یہ خط ملنے پر حضرت علیؓ نے ان سے بیت المال کا مفصل حساب کتاب طلب کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو بہت محسوس کیا اور امیر المؤمنینؓ کو خط بھیجا کہ:

"میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اہلِ بصرہ کے مال میں تصرف کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں اس لیے آپ اس

منصب پر جس کو مناسب سمجھیں مقرر فرمائیں، میں اس سے سبکدوش ہوتا ہوں۔"

اس قسم کی کچھ اور روایات بھی ہیں جن کو مغربی مستشرقین نے بہت اچھالا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابنِ عباسؓ اپنی وفات تک ہمیشہ مسلمانوں کی عقیدت اور عزت و احترام کا مرجع بنے رہے تو یہی باور کرنا پڑتا ہے کہ ان روایتوں میں کافی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ان کا کسی معاملے میں اختلاف ہو گیا ہو لیکن یہ بات کہ ان کا دامن کبھی بیت المال میں تصرف بے جا سے آلودہ ہوا، لائقِ اعتنا نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی فوج کا سالار مقرر کیا۔ "دائرۂ معارف اسلامیہ" میں ہے کہ "اسی اثنا میں انہوں (ابنِ عباسؓ) نے امیر معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کی کوشش شروع کر دی لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کام خود اپنی مرضی سے کیا یا امام الحسنؓ کے کہنے پر کیا۔ غالباً یہ ابنِ عباسؓ ہی تھے جنہوں نے خلافت کے ان دو دعوے داروں کے درمیان مصالحت کرائی۔"

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، یہ حقیقت ہے کہ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری سے پہلے ہی حضرت ابنِ عباسؓ نے امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کر لی اور مکہ جا کر عزلت گزیں ہو گئے۔

امیر معاویہؓ کے طویل عہدِ خلافت میں حضرت ابنِ عباسؓ کا مستقل قیام حجاز ہی میں رہا لیکن اس دوران میں وہ وقتاً فوقتاً امیر معاویہؓ سے ملنے دمشق جاتے رہتے تھے اس سے ان کی غرض بنو ہاشم کے مفادات کی حفاظت ہوتی تھی۔ جس زمانے میں سیدنا حضرت حسنؓ نے وفات پائی (۵۰ھ) حضرت ابنِ عباسؓ دمشق گئے ہوئے تھے۔ امیر معاویہؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے حضرت حسنؓ کی وفات پر تعزیت کی۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں بیان کیا ہے کہ اس موقع پر دونوں بزرگوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:۔

حضرت امیر معاویہؓ : ابوالعباس اللہ تمہیں ابی محمد الحسن بن علیؓ کی موت پر اجر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ : اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ——— (آنسو ضبط کرتے ہوئے)

اللہ کی قسم ان کی موت سے آپ کی قبر پُر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے آپ کی زندگی بڑھ جائے گی۔ واللہ ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا؟

حضرت امیر معاویہؓ : وہ کس عمر کے تھے؟

حضرت ابنِ عباسؓ : ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ آپ کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ : میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔

حضرت ابنِ عباسؓ : ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے۔ اگر اللہ نے ابی محمدؓ کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لیا تو ابھی ابو عبداللہ (حسینؓ) کو زندہ رکھا ہے اور ان جیسے نفوس خلفِ صالح ہوتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ جب بھی حضرت امیر معاویہؓ سے ملتے وہ ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے، اعلیٰ پیمانے پر خاطر مدارات کرتے اور ان کو عطیے اور تحفے دیتے۔

مشہور شیعی مؤرخ محمد بن علی بن طبا طبا (ابنِ طقطقی) کا بیان ہے :-

"اشرافِ قریش میں سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفرؓ عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ اور آلِ ابی طالب کے افراد امیر معاویہؓ کے پاس دمشق آیا کرتے تھے وہ ان کی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر خاطر داری اور مہمان نوازی کرتے تھے اور ان کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے اس کے برعکس یہ اصحاب ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چیں بجبیں رہتے لیکن امیر معاویہؓ ان کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتے یا ٹال جاتے اور ان کو قیمتی تحائف اور بڑی بڑی رقمیں دیتے۔" (الفخری)

۴۹-۵۰ھ (یا بروایتِ دیگر ۵۱-۵۲ھ) میں امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے

لیے ایک لشکر روانہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کئی دوسرے جوانانِ قریش کے ساتھ اس لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔ یہ وہی لشکر تھا جس کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اُمّت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا، اس کو اللہ نے بخش دیا ہے۔

۶۰ھ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا اور سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے اصرار پر مکّہ سے سفر کی تیاری کی تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا ـــــ " اے ابنِ عم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، " ارادہ تو یہی ہے۔"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، " اے ابنِ عم میں تمہارے لیے اللہ سے پناہ کا طالب ہوں، یہ ارادہ ترک کر دو۔"

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: " میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے اب تو جانا ہی ہو گا۔"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، " کیا تم اس قوم کے پاس جا رہے ہو جس نے اپنے والی کو اپنے شہر سے نکال دیا ہے اور نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے؟ اگر واقعی وہ یہ کر گزرے ہیں تو تم بے شک ان کے پاس چلے جاؤ اور اگر ان کا والی بدستور ان پر حکومت کر رہا ہے اور اس کے حکام ان لوگوں سے واجبات وصول کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں لڑائی کی آگ میں کودنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح تمہارے والد اور بھائی کو چھوڑ دیا تھا۔"

سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " اے ابنِ عم جو کچھ آپ نے کہا ہے میں اس پر غور کروں گا۔"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس وقت واپس چلے گئے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے ارادے پر قائم ہیں تو وہ تیسرے دن پھر ان کے پاس گئے اور کہا:۔

"اے ابنِ عم! میں نے بہت چاہا کہ اس معاملے میں دخل نہ دوں لیکن دل نہیں مانتا، میں پھر کہتا ہوں کہ کوفہ جانے میں مجھے تمہاری بربادی کا ڈر ہے۔ اہلِ کوفہ غدار لوگ ہیں ان پر بھروسا نہ کرو۔ تم اسی شہر میں مقیم رہو، تم اس شہر کے باشندوں کے سردار ہو اور اگر یہ بات قبول نہیں تو پھر یمن چلے جاؤ وہاں قلعے، گھاٹیاں اور سرنگیں ہیں۔ علاقہ بڑا طویل وعریض اور محفوظ ہے، وہاں تمہارے والد کے حامی بھی موجود ہیں۔ ویسے بھی تم وہاں لوگوں سے الگ ایک گوشے میں پڑے ہو گے، لوگوں سے آسانی کے ساتھ نامہ وپیام کر سکو گے پھر وہیں سے اپنے داعی تمام ملک میں پھیلا سکتے ہو۔ اگر تم یہ طریقِ عمل اختیار کرو تو مجھے امید ہے کہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گے۔"

سیدنا حسین رض نے جواب دیا ــــ "اے ابنِ عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ اور شفیق ہیں لیکن اب میں نے کوفہ جانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔"

حضرت ابنِ عباس رض نے کہا: "اگر تمہارا جانا ناگزیر ہے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح شہید نہ کر دیئے جاؤ جس طرح عثمان رض کو ان کے عیال کے سامنے شہید کر دیا گیا تھا۔"

سیدنا حسین رض نے جواب دیا: "اے ابنِ عم میں تو اہل وعیال کے ساتھ ہی جاؤں گا۔"

اب حضرت ابنِ عباس رض خاموش ہو گئے۔ قضاء وقدر کو یہی منظور تھا کہ کربلا کا سانحۂ جانگداز پیش آئے۔ حضرت ابنِ عباس رض حضرت حسین رض سے رخصت ہو کر واپس جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رض سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا گمان تھا کہ ابنِ زبیر رض خلافت کے دعویدار ہیں اس لیے حضرت حسین رض کے مکہ چھوڑ دینے پر خوش ہوں گے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ خود ابنِ زبیر رض سیدنا حسین رض کو مکہ میں مقیم رہنے اور کوفہ نہ جانے کا مشورہ دے چکے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رض نے اپنے گمان کے تحت ابنِ زبیر رض سے مخاطب

ہو کر کہا ۔۔۔۔ "حسینؓ کے جانے سے تمہارے دل میں تو ٹھنڈک پڑ گئی ۔۔۔۔" پھر یہ شعر پڑھا:

خلا لكِ الجوّ فبيضي واصفري
ونقري ما شئتِ أن تنقري

"(اے پرندے اب تو ساری فضا کا مالک ہے، انڈے دے، چہچہا، اور جب تک اور جو کچھ جی چاہے چگتا پھر۔)"

حضرت ابن عباسؓ کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ سیدنا حسینؓ میدانِ کربلا میں اپنے متعدد اعزہ واقربا اور اعوان وانصار سمیت خواتین اور بچوں کے سامنے شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کو اس دلدوز سانحہ کی خبر سن کر اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ ساری عمر اس پر اشکبار رہے۔

۵

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے بیعت خلافت لینی شروع کی۔ اہلِ حجاز کی بہت بڑی تعداد نے ان کے ہاتھ پر خوشدلی سے بیعت کر لی لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ابن زبیرؓ کے حریف یزید کے حامی تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ سیاسی تنازعات اور سیاسی بکھیڑوں سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے، امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ان سے یزید کی بیعت کے لیے کہا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ ابن زبیرؓ نے ان پر بیعت کے لیے بڑا زور دیا لیکن وہ نہ مانے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ابن زبیرؓ نے بیعت سے مسلسل انکار کی بنا پر انہیں اور محمدؒ بن حنفیہ کو قید کر دیا تھا، ابن زبیرؓ کے دوسرے بڑے حریف مختار بن ابی عبید ثقفی کو اطلاع ملی تو اس نے کوفے سے سواروں کا ایک بڑا دستہ بھیجا۔ اس دستے نے اچانک چھاپہ مار کر انہیں رہائی دلائی۔ یہ دستہ چاہتا تھا کہ ابن زبیرؓ کی فوج سے بھی نبرد آزما ہو لیکن

ابنِ عباسؓ نے اسے منع کر دیا اور فرمایا کہ میں حرم میں خونریزی پسند نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں ابنِ اثیرؒ نے مختار کے فرستادہ اس دستے میں شامل ایک شخص کی زبانی دو عجیب باتیں نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابنِ زبیرؓ محمد بن حنفیہؒ اور ابنِ عباسؓ کو زندہ جلا دینا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ان کی قیام گاہ کے گرد (جس میں وہ قید تھے) لکڑیوں کا انبار لگوا دیا تھا۔

دوسری یہ کہ جب یہ دستہ مکہ پہنچا تو ابنِ زبیرؓ نے کعبہ کا غلاف پکڑ کر پناہ مانگی۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ابنِ زبیرؓ کے مخالفین نے انہیں بدنام کرنے کے لیے وضع کیں۔ اگر درایت سے کام لیا جائے تو ان کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اگرچہ صغارِ صحابہؓ میں سے تھے لیکن اپنے علم و فضل اور اوصاف و محاسن کی وجہ سے اکابر صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے، وہ بیعت سے انکار کی بنا پر کسی کو زندہ جلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کوئی معمولی شخصیتیں نہیں تھیں کہ انہیں زندہ جلا دیا جاتا اور اہلِ مکہ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ عرب کے شجاع ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے ان کے بارے میں یہ کہنا کہ اپنے مخالفین کا ایک دستہ دیکھ کر وہ غلافِ کعبہ سے لٹک کر پناہ مانگنے لگے محض کذب و افترا ہے۔

مختلف روایتوں کو سامنے رکھ کر صورتِ واقعہ اس طرح نظر آتی ہے کہ:

۱۔ ابنِ زبیرؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ سے بیعت کا مطالبہ کیا جب وہ نہ مانے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

۲۔ مختار بن ابی عبید ثقفی نے قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لیا تو ابنِ عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ بعد میں مختار نے ابنِ زبیرؓ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ ابنِ زبیرؓ کو شبہ ہوا کہ مختار کو ابنِ عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کی حمایت حاصل ہے انہوں نے ازراہِ احتیاط ان دونوں بزرگوں کو (ابنِ عباسؓ کو ان کے مکان میں اور محمد بن حنفیہؒ کو چاہِ زمزم کی چار دیواری میں) نظر بند کر دیا لیکن وہ ہر وقت مکہ سے

باہر جانے کی قدرت رکھتے تھے۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے تو کوفہ جانے کا ارادہ بھی کیا مگر مختار کو ان کا کوفہ آنا پسند نہیں تھا اس لیے وہ مکہ ہی میں رک گئے۔

۳۔ مختار نے سواروں کا ایک مسلح دستہ مکہ بھیجا جو ان دونوں بزرگوں کو اپنے ساتھ منیٰ لے آیا اور خود واپس چلا گیا۔ وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد دونوں طائف چلے گئے۔ ایک روایت کے مطابق طائف جانے سے پہلے حضرت ابن عباسؓ نے ابن زبیرؓ سے سخت لہجے میں گفتگو کی تاہم اس کے بعد ابن زبیرؓ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ مختار کے بھیجے ہوئے دستے سے حضرت ابن زبیرؓ اس لیے نبرد آزما نہ ہوئے کہ وہ حرم مکہ میں خونریزی کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۴۔ یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی لیکن وہ ابن زبیرؓ کے دشمن نہیں تھے اور ان کے فضائل و محامد کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیرؓ کی نماز دیکھو۔ (مسند احمد)

صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہؒ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، معاذ اللہ، حرم میں خونریزی کرنا بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، خدا کی قسم میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا، لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں وہ خلافت کا دعویٰ کس بنا پر کر رہے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، کیوں نہ کریں، ان کے والد زبیرؓ حواری رسولؐ تھے، ان کے نانا ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے، ان کی والدہ اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ امّ المؤمنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھیں اور ان کی دادی صفیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ پھر وہ خود اسلام میں پاکباز اور قاری قرآن ہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو یہ ایک

رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ذی عزت ہمعصر کی پرورش ہوگی۔

امام ذہبیؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر کا بیان ہے کہ زندگی کے آخری دَور میں حضرت ابنِ عباسؓ کی بینائی جاتی رہی۔ قیامِ طائف ہی کے دوران (۶۸ھ ۶۸۷ء) میں سخت بیمار ہو گئے۔ جب جانبری کی امید نہ رہی تو اپنے بستر کے گرد جمع احباب و اقارب اور معتقدین کے ہجوم سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

"میں ایک ایسی جماعت کے درمیان دنیا سے رخصت ہوں گا جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مقرب ہے۔ اس لیے اگر میں تم لوگوں کے درمیان دم توڑدوں تو یقیناً تم ہی وہ جماعت ہو۔"

سات روز کی علالت کے بعد اس آفتابِ علم و فضل نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ وفات کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا اور مخلوقِ خدا چاروں طرف سے آخری بار زیارت کے لیے امڈ پڑی۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور امام المفسرین کو سرزمینِ طائف میں سپردِ خاک کر کے فرمایا :-

"خدا کی قسم آج اُمت کا بہت بڑا عالم دنیا سے اٹھ گیا۔"

(۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی کتابِ زندگی کا سب سے زیادہ روشن باب ان کا علم و فضل ہے۔ اس اعتبار سے وہ حقیقی معنوں میں حبر یا بحر تھے —— بڑے بڑے عظیم المرتبت صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور دوسرے علمائے سلف ان کے علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کے معترف اور مداح تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک ان کا جو مقام اور مرتبہ تھا اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے تھے کہ ابنِ عباسؓ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ شفاف پردے کے پس منظر سے غیب کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے کہ ابن عباسؓ بہترین ترجمان القرآن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، اسے اُمتِ محمدیہ میں ابنِ عباسؓ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت عبید اللہؓ بن عباسؓ کا قول ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے بڑھ کر کسی کو سُنّت کا عالم، ان سے زیادہ صائبُ الرائے اور ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری کے صاحبزادے محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن عباسؓ میرے والد کے پاس بیٹھے تھے وہ اٹھ کر گئے تو میرے والد نے فرمایا، ایک دن یہ شخص اِس اُمّت کا حبر ہوگا۔

حضرت طاؤس تابعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستّر اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابنِ عباسؓ سے گفتگو کرتے تھے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابنِ عباسؓ کے قول پر ہی فیصلہ ہوتا۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کا بیان ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سُنّتِ نبوی کے مشابہ نہیں دیکھا۔

"دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں علامہ محمد حسین الذہبیؒ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم و فضل کے اعتبار سے جس بلند مقام پر فائز تھے اس کے یہ پانچ اسباب تھے:۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ اسے کتاب و حکمت کا علم، دین کی سمجھ اور تاویلِ قرآن کا فہم عطا کر۔

۲۔ خانوادۂ نبوّت میں تربیت ہوئی۔

۳۔ کبار صحابہؓ کی صحبت میسّر آئی۔

۴۔ قوتِ حافظہ کے ساتھ لغت و ادبِ عرب کا حفظ ہونا۔ (انہوں نے عمر بن ابی ربیعہ کے ۸۰ اشعار صرف ایک مرتبہ سن کر یاد کر لیے تھے)۔

۵۔ اجتہاد کے مرتبہ کا حاصل ہونا۔

حضرت ابنِ عباسؓ دینی علوم کے علاوہ دوسرے تمام مروّجہ علوم میں بھی درجۂ تبحّر رکھتے تھے۔ وہ جملہ علوم و معارف کے جامع تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض کے ساتھ ادب و انشاء، زبان و لغت، سیرت و مغازی، انساب، شعر و شاعری اور حساب وغیرہ میں بھی یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ محدثینِ کرامؒ اور اربابِ سیر نے ان کی قرآن فہمی کے بے شمار واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کی تمام آیات کی جزئیات تک سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جب قرآن مجید کی کسی آیت کی تحقیق کرنا چاہتے تو صحابہ کرامؓ سے اس کے بارے میں پوچھتے لیکن جب انہیں تسلی بخش جواب نہ ملتا تو وہ حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف رجوع فرمایا کرتے اور ان کی تفسیر پر اعتماد کرتے۔ ابنِ عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کے سمجھنے کے لیے قدیم عرب شعراء کے کلام کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ گو بعض دیگر صحابہ کا بھی یہ دستور تھا لیکن ابنِ عباسؓ اس خصوصیت میں ممتاز تھے۔

تمام اہلِ سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابنِ عباسؓ کو قرآنِ حکیم کی تفسیر و تاویل میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ اسی طرح آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں ان کو جو تبحّر حاصل تھا اس کی ہمسری بہت کم صحابہؓ کر سکتے تھے۔

حضرت ابنِ عباسؓ کی طرف تفسیر کی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے جس کا نام ہے "تنویر المقباس من تفسیر ابنِ عباسؓ" اس کو "القاموس المحیط" کے مؤلف ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) نے جمع کیا ہے اور یہ مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ کو حدیث سے بھی شغف تھا، عہدِ رسالت میں گو وہ کمسن تھے لیکن حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ حضورؐ سے جو کچھ سنتے تھے اسے یاد کر لیتے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد انہوں نے کبار صحابہؓ کی صحبت اختیار کی اور ان کی احادیث سننے اور یاد کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ وہ ہر وقت حدیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش و جستجو میں رہتے تھے۔ جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں صاحب کے پاس کوئی حدیث ہے تو خود چل کر ان کے پاس جاتے اور وہ حدیث حاصل کرتے

حضرت ابو سلمہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جاکر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔

حضرت ابو رافعؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رہ چکے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کاتب کو ساتھ لے کر ان کے پاس جاتے اور حضورؐ کے روزانہ معمولات کے بارے میں دریافت کرتے۔ جو معلومات ان سے حاصل ہوتیں انہیں کاتب سے لکھواتے جاتے۔ اس تجسس کی وجہ سے ان کو ہزارہا احادیث ازبریاد ہوگئی تھیں لیکن وہ روایت حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ وہ دَور بھی آیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا بالکل ترک کر دیا۔ فرماتے تھے کہ جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔ اس احتیاط کے باوجود ان سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث کے طبقۂ اول میں ہوتا ہے۔ کثیر الروایۃ صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ ان کے راویانِ حدیث اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مسورؓ بن مخرمہ، حضرت ابو الطفیلؓ، حضرت کثیر بن عباسؓ (بھائی)، محمدؒ بن عبداللہؓ (بیٹے) علیؒ بن عبداللہؓ (بیٹے) محمدؒ بن علیؒ (پوتے) عبداللہؒ بن عبیداللہؓ (بھتیجے) حضرت سعیدؒ بن مسیبؒ، حضرت ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؓ، حضرت قاسمؒ بن محمد، حضرت عطاءؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیر، حضرت عکرمہؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ، حضرت عامر الشعبیؒ، حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ، حضرت عمرو بن میمونؒ، حضرت نافع بن جبیرؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت یزید بن اصمؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابو العالیہؒ، حضرت عمرو بن دینارؒ، حضرت عمار بن ابی عمارؒ، حضرت یحییٰ بن یعمرؒ، حضرت عبداللہ بن شدادؒ، حضرت کریبؒ، حضرت ابو رجاء عطاردیؒ

حضرت ابنِ عباسؓ کو فقہ اور اجتہاد میں بھی نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ " امام ابوبکر محمد بن موسیٰؒ نے (جو خلیفہ مامون الرشید عباسی کے پڑپوتے تھے) ابنِ عباسؓ کے فتاویٰ بیس جلدوں میں جمع کیے تھے۔" اس سے حضرت ابنِ عباسؓ کے تفقہ فی الدین کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ " وہ فرائض اور حساب میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے۔"

شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور نہایت عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔ ابنِ رشیقؒ نے "کتاب العمدہ" میں ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج کیے ہیں۔ سخن فہمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کو جاہلی شعراء کے ہزاروں اچھے اشعار ازبر تھے۔ زبان و لغت اور انساب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ غرض ان کی ذات جامع العلوم کی حیثیت رکھتی تھی۔ نہایت شیریں زبان تھے۔ گفتگو میں ادب کی چاشنی اور غضب کی فصاحت و بلاغت ہوتی تھی۔ تقریر نہایت مؤثر اور دلآویز ہوتی تھی۔ شقیق تابعیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابنِ عباسؓ نے حج کے موقع پر خطبہ دیا اور اس میں سورۂ نور کی تفسیر ایسے اچھوتے انداز میں بیان کی کہ اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی۔ اگر اس کو فارس اور روم سُن لیتے تو پھر ان کو کوئی چیز حلقہ بگوش اسلام ہونے سے نہ روک سکتی —— ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابنِ عباسؓ کی خوش بیانی اور مٹھاس پر میرا دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں۔

(۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم کی بے اندازہ دولت کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ تمام عمر اس کو مخلوقِ خدا میں بے دریغ لٹاتے رہے۔ ان کا حلقہ درس بڑا وسیع تھا جس سے ہزاروں طالبانِ علم مسلسل فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ "مستدرک حاکم" میں ابوصالح تابعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابنِ عباسؓ کے مکان کے سامنے لوگوں کی اتنی بڑی بھیڑ دیکھی کہ ان کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے آمد و رفت کا راستہ رک گیا تھا۔

میں نے اس ازدحام کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو دی تو انہوں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ وضو کے بعد مجھ سے فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر یا اس کے رموز و معارف کے بارے میں جو لوگ سوال کرنا چاہتے ہوں، ان کو اندر بلا لو۔ میں نے آواز دی تو میرے دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر اور ملحقہ حجرے بھر گئے۔ ابن عباسؓ نے فرداً فرداً ہر شخص کے سوال کا جواب دیا اور سب کو مطمئن کر کے رخصت کر دیا۔ پھر مجھ سے فرمایا، فقہ حدیث اور حرام و حلال کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے انہیں بلایا تو ان سے بھی سارا گھر بھر گیا۔ ابن عباسؓ نے ان کو بھی تسلی بخش جوابات دے کر رخصت کیا۔ پھر فرمایا، اب فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلاؤ۔ ان کے جم غفیر سے بھی گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ ابن عباسؓ نے ان کے سوالات بھی حل کیے۔ آخر میں عربی زبان، ادب و انشاء اور شعر و سخن کے سائلوں کو طلب کیا۔ ان کی کثرتِ تعداد کا بھی وہی حال تھا حضرت ابن عباسؓ نے ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے اور سب کی تشفی کر دی ——— ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس کبھی نہ دیکھی تھی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کوئی شخص علم کے کسی بھی شعبہ کے متعلق کوئی سوال کرتا تو اس کو اس کا جواب ضرور ملتا۔

حضرت ابن عباسؓ بعض اوقات علمی مذاکروں کے لیے خاص دن مقرر کر دیتے تھے۔ کسی دن تفسیر کا درس دیتے تھے۔ کسی دن حدیث اور فقہ کا، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن ایامِ عرب کی داستانیں بیان کرتے اور کسی دن مغازی کے واقعات سناتے۔ کسی دن زبان و ادب اور لغت کے نکات بیان کرتے۔ کسی دن شعر و سخن سے مجلس کو آراستہ کرتے اور کسی دن انساب کا تذکرہ کرتے۔

غرض ان کی مجالس اور حلقۂ درس میں علوم و معارف کے چشمے ابلتے رہتے تھے۔

درس کے حلقوں کے علاوہ وہ کبھی کبھی نماز کے بعد اپنے خطبات کے ذریعے بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیقؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے عصر کی نماز کے بعد ہمارے سامنے تقریر شروع کی، یہاں تک کہ

آفتاب غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے۔ لوگ نماز نماز کی آوازیں بلند کرنے لگے۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے تو مسلسل نماز نماز پکارنا شروع کر دیا۔ اس پر ابن عباسؓ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا، تیری ماں مرے، تو مجھ کو سنّت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپؐ (کبھی کبھی) ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھا کرتے تھے۔

راوی (عبداللہ بن شقیقؒ) کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی۔ میں نے جا کر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا تو انہوں نے حضرت ابنِ عباسؓ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

قیام کے علاوہ سفر میں بھی حضرت ابنِ عباسؓ کا چشمۂ فیض جاری رہتا تھا۔ مکّہ معظّمہ سے باہر قیام ہوتا اور حج کے لیے مکّہ آتے تو طالبانِ علم ان کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کے لیے ٹوٹ پڑتے۔

مکّہ میں مستقل قیام کے دوران میں مدینہ منوّرہ جاتے تو وہاں بھی ان کی قیامگاہ ہر وقت شائقینِ علم سے بھری رہتی۔ بصرہ، کوفہ، دمشق، طائف جہاں بھی جاتے لوگ ان کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو غیر زبان والے لوگ بھی مسائل کی تحقیق یا کسبِ علم کے لیے ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کی سہولت کے لیے کچھ ترجمان مقرر کر دیے جو عربی بھی جانتے تھے اور ان لوگوں کی زبان بھی۔

حضرت ابن عباسؓ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ لوگ تقدیر جیسے نازک اور دقیق مسئلہ پر بحث مباحثہ کریں کیونکہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ تقدیرِ الٰہی پر ایمان رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس میں موشگافیاں کرنے سے گمراہی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے۔ اس زمانے میں وہ نابینا ہو چکے تھے اس کے

باوجود لوگوں سے فرمایا، مجھے اس شخص کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے پوچھا، آپ اس کے پاس جاکر کیا کریں گے؟ فرمایا، اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن پر ہاتھ پڑ گیا تو اسے توڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے "میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں اور سب کی سب اعمالِ شرک میں مبتلا ہیں۔" تقدیر کا انکار اس اُمّت کے شرک میں مبتلا ہونے کی پہلی علامت ہے۔ مجھے اپنے خالق کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کا فساد یہیں تک محدود نہ رہے گا بلکہ جس طرح انہوں نے شر کی تقدیر سے انکار کیا ہے اسی طرح خدا کی خیر کی تقدیر سے بھی منکر ہو جائیں گے۔

۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہایت شریف الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ اصحاب فضل و کمال کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جس زمانے میں بصرہ کے والی تھے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی احتیاج کا ذکر کیا تو حضرت ابنِ عباسؓ نے دل کھول کر ان کی مدد کی کیونکہ ہجرت کے بعد وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان بنے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے چالیس ہزار درہم اور بیس غلاموں کے علاوہ گھر کا سارا اثاثہ ان کے حوالے کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بصرہ تشریف لے گئے تو حضرت ابنِ عباسؓ نے ان کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے اور کہا میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت کے لیے اپنا گھر خالی کر دیا تھا، میں بھی آپ کے لیے اپنا گھر خالی کر دوں۔ پھر انہوں نے اپنے تمام اہل و عیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور مکان مع اس تمام ساز و سامان کے جو گھر میں موجود تھا، حضرت ابو ایوبؓ کی نذر کر دیا۔ (سیر انصار جلد اوّل)

ایک مرتبہ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری سوار ہوئے تو حضرت ابنِ عباسؓ نے پاسِ ادب کے طور پر ان کی رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا:

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابنِ عم! ایسا نہ کیجئے یہ مناسب نہیں ہے۔"
حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا :- "ہمیں اپنے علماء کا اسی طرح ادب واحترام
رنا چاہیے۔"
(حضرت زیدؓ بن ثابت بھی بہت بڑے عالم تھے اور مقری، فرضی، کاتب الوحی،
اور حبر الامت کے القاب سے مشہور تھے۔)
حضرت زیدؓ بن ثابت نے ان کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا :-
"ہمیں بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا اسی طرح ادب کرنا چاہیے۔"
(مستدرکِ حاکم)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک دفعہ ایک انصاری صاحب رسولؐ سے
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا لیکن آپؐ کے اصحاب ابھی ہمارے درمیان موجود
ہیں چلو ان سے علم حاصل کریں۔
انصاری صاحبِ رسولؐ نے کہا "ابنِ عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم جانتے
ہو کہ لوگ خود تمہارے علم کے محتاج ہیں پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو؟"
حضرت ابنِ عباسؓ نے یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور اپنا معمول بنا لیا کہ تنہا ہر ایسے
صاحبِ رسولؐ کے پاس پہنچ جاتے جن کے بارے میں انہیں اطلاع ملتی کہ انہوں نے سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ ان کے دروازے پر دستک
دیتے وہ باہر نکلتے تو ان سے پوچھتے، کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث
سنی ہے وہ کہتے، اے ابنِ عمِ رسولؐ، آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف کیوں فرمائی،
کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے، نہیں یہ میرا فرض تھا۔
اس مقصد کے لیے وہ ان اصحاب کے پاس بھی بلا جھجک چلے جاتے تھے جن سے ان کا
مقام ومرتبہ کہیں بلند تھا اور جو ان کے ایک اشارے پر خود دوڑ کر ان کے پاس چلے آتے۔
حدیث کے علاوہ دوسرے علوم کی تحصیل کے لیے بھی دوسروں کے پاس جانے میں کوئی
عار محسوس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابو قیس صرمہؓ بن ابی انس انصاری مدینہ کے نہایت بلند پایہ شاعر

تھے اور بہت اچھے اخلاقی شعر کہا کرتے تھے۔ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان کے ہاں جایا کرتے تھے اور ان سے شعر حاصل کرتے تھے۔

(۹)

حضرت ابن عباسؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ عہدِ رسالت میں ان کو اکثر حضورؐ کی خدمت گزاری کی سعادت نصیب ہوتی رہتی تھی۔ وہ نہایت مستعدی سے حضورؐ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے اور بعض اوقات آپؐ کے حکم کے بغیر بھی ایسے کام کر دیتے تھے جن سے حضورؐ خوش ہوتے تھے اور ان کو دعائیں دیتے تھے۔ اس قسم کے چند واقعات کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

حضورؐ کے وصال کے بعد آپؐ سے محبت اور عقیدت کی یہی کیفیت رہی۔ مُسندِ احمدؒ میں حضرت سعیدؒ بن جُبیرؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا، "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ،" اتنا کہنے پائے تھے کہ ان پر رقّت طاری ہو گئی اور زار و قطار رونے لگے۔ اس قدر روئے کہ زمین پر سامنے پڑے ہوئے کنکر گیلے ہو گئے۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو ہم (حاضرین) نے پوچھا، ابوالعباس پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی؟ فرمایا، "اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں شدت ہو گئی تھی۔

حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت حضورؐ کی جانب منسوب نہ ہونے پائے۔ جہاں اس قسم کا ذرّہ برابر بھی اندیشہ ہوتا وہ بیان نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ غلط باتیں حضورؐ سے منسوب کرتے ہیں تو فرمایا، تم کو قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ۔

حضورؐ کا اس قدر پاسِ ادب تھا کہ فتویٰ دیتے تو آپؐ کا اسمِ گرامی نہ لیتے تھے تاکہ آپؐ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری نہ اٹھانا پڑے۔

مُسندِ دارمی میں ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس

حدیثیں بیان کرنا شروع کر دی ہیں تو انہوں نے روایت کرنا ہی چھوڑ دیا۔

اُمّہات المؤمنینؓ کا بھی بے حد احترام کرتے تھے۔ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں ان کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے، ان سے حدیثیں سنتے تھے اور وہ کوئی حکم دیتیں تو اس کو بجالاتے تھے۔ حضرت میمونہؓ نے ۵۱ھ میں وفات پائی تو حضرت ابن عباسؓ ہی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، ادب کے ساتھ آہستہ لے چلو۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہمیشہ احترام و ادب ملحوظ رہا لیکن ایک دفعہ وہ بعض وجوہ کی بناء پر ان سے ناراض ہو گئیں۔ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئیں اور حضرت ابن عباسؓ کو ان کی شدید علالت کی خبر ہوئی تو وہ فوراً ان کے درِ دولت پر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، اُمّ المؤمنین نے پہلے تو اجازت دینے میں تامل کیا لیکن جب ان کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ نے عرض کی:۔

"اماں، عبداللہ بن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، ان کو اجازت دیجئے۔"

تو اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا: "خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلا لو۔"

حضرت ابن عباسؓ نے اندر آکر سلام کیا، اُمّ المؤمنینؓ کے قریب بیٹھ گئے اور کہا ــــ "آپ کو بشارت ہو۔"

اُمّ المؤمنینؓ نے بھی جواب میں یہی کلماتِ خیر دہرائے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا:

"اب آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے (مرحوم) اعزہ و اقارب کے مابین وہی پردہ ہے جو جسم اور روح کے درمیان حائل ہے۔ اس کے دور ہوتے ہی آپ کی ان سب سے ملاقات ہو جائے گی۔"

پھر انہوں نے اُمّ المؤمنینؓ کے فضائل بیان کرنا شروع کر دیئے اور عرض کیا:

" آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ تھیں اور حضورؐ ہمیشہ پاکیزہ ہی شے کو محبوب رکھتے تھے ۔"

اس طرح انہوں نے اُمّ المؤمنینؓ کو ان کے سفرِ آخرت کرنے سے پہلے راضی کرلیا۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہماری تاریخ کی متاعِ گراں بہا ہیں ان کے سرچشمۂ فضل وکمال سے فیوض وبرکات کے جو چشمے جاری ہوئے وہ آج بھی جاری ہیں اور ہر شخص بقدرِ ظرف ان سے سیراب ہوسکتا ہے ۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ

۱

حبرُ الامّت حضرت زیدؓ بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مسجدِ نبوی میں دُعا اور ذکرِ خدا میں مشغول تھا۔ میرے ساتھ دو اور آدمی بھی ذکرِ الٰہی کر رہے تھے۔ ان میں ایک شخص یمن کے قبیلہ دَوس سے تعلق رکھتا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم لوگ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا، اپنا کام جاری رکھو۔ اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص دَوسی نوجوان کے قبل باوازِ بلند دعا کرنے لگے۔ حضورؐ ہمارے ہر جملے پر آمین کہتے جاتے تھے۔ ہم دونوں دُعا مانگ چکے تو اس دَوسی نوجوان نے دستِ دعا اٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوا۔

"بارِ الٰہا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے پہلے مانگ چکے ہیں، وہ مجھے بھی عطا کر۔ اس کے علاوہ ایسا علم عطا کر جو کبھی فراموش نہ ہو۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا۔ اس کے بعد میں اور میرے دوسرے ساتھی نے عرض کی:

"یا رسول اللہ ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو کبھی نہ بھولے۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"وہ تو اس دَوسی نوجوان کے حصہ میں آچکا۔"

قبیلہ دَوس کے یہ خوش بخت نوجوان، جن کو سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بارگاہِ ایزدی سے کبھی فراموش نہ ہونے والا علم بطورِ خاص عطا ہوا،

سیّدنا حضرت ابُوہُریرہ رضؓ تھے۔

②

سیّدنا حضرت اُبُوہُریرہؓ ان بزرگ صحابہؓ میں سے ہیں جنھوں نے اپنے وطن سے مدینہ منورہ آنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر رہنے کو سارے جہان کی عزّتوں اور سربلندیوں پر فوقیت دی اور نبُوّت کے سرچشمۂ علم سے اس طرح سیراب ہوئے کہ خود جوئے علم بن گئے، ایسی جوئے علم جس سے لاکھوں بندگانِ خدا نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

حضرت اُبُوہُریرہؓ روایتِ حدیث کے اعتبار سے ان ساتؔ اساطینِ اُمّت میں سرِفہرست ہیں جن سے ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔

حضرت ابُوہُریرہؓ سے مروی احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے جبکہ چھ دوسرے کثیر الروایۃ بزرگوں کے اسماءِ گرامی اور ان سے مروی احادیث کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰
اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰
حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ	۱۵۴۰
حضرت انسؓ بن مالک انصاری	۱۲۸۶
حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰

ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت ابُوہُریرہؓ پر اعتراض کیا کہ آپ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں حالانکہ مہاجرینؓ و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے۔ اس کے جواب میں اُنھوں نے فرمایا:

"میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے لیکن میں پیٹ پالنے کے لیے ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس بنا پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تو میں آپؐ کی خدمت میں موجود رہتا تھا۔ میں فقرائے صُفّہ کی جماعت کا ایک فرد تھا۔ جب یہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں یاد کر لیتا تھا۔ (صحیح بخاری)

شروع شروع میں حضورؐ کے بعض ارشادات حضرت ابُوہُرَیرہؓ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے۔ یہ بات ان کے لیے سوہانِ روح تھی۔ ایک دن بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کی :

"یا رسول اللہ میں آپ کے بعض ارشادات بھول جاتا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا :۔ "چادر پھیلاؤ۔"

انہوں نے چادر پھیلادی۔ آپؐ نے اس میں اپنے دستِ مبارک ڈالے پھر فرمایا، اس کو سینہ سے لگالو۔ حضرت ابُوہُرَیرہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد میں حضورؐ کا کوئی ارشاد کبھی نہ بھولا۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

۳

حضرت ابُوہُرَیرہؓ کا خاندانی نام عبدِ شمس تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلامی نام باختلافِ روایت عبدالرحمٰن یا عمیر رکھا لیکن تاریخ میں انہوں نے اپنی کنیت ابُوہُرَیرہؓ سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق قبیلہ دَوس (ازد کی ایک شاخ) سے تھا جو یمن میں آباد تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

ابُوہُرَیرہؓ عبدالرحمٰن (عمیر) بن عامر بن عبدِ ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔

حضرت ابُوہُرَیرہؓ اپنی کنیت کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بِلّی (ہرہ) پال رکھی تھی۔ رات کو اسے ایک درخت پر رکھ دیتا تھا اور صبح کو جب اپنی بکریاں چرانے جاتا تو اس بلّی کو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ لوگوں نے بلّی سے میرا غیر معمولی لگاؤ دیکھ کر مجھ کو ابُوہُرَیرہ کہنا شروع کر دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کی یہ کنیت کس نے تجویز کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ مجھے ایک بلّی مل گئی تھی جس کو میں اپنی آستین میں لیے پھرتا تھا۔ اسی وقت سے مجھے ابوہریرہ کہا جانے لگا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو "ابوہر" یا "ابوہریرہ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اور نہایت عسرت و افلاس کے عالم میں پرورش پائی۔ وہ روزانہ اپنے گھر کی بکریاں جنگل لے جاتے اور شام تک انہیں چراتے رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے حالات بدلنے لگے یہاں تک کہ وہ ایک غلام رکھنے کے قابل ہو گئے۔ ان کے آغوشِ اسلام میں آنے سے پہلے کے حالات بہت کم معلوم ہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں انھوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور شعر بھی کہنے لگے تھے۔ بعثتِ نبوی کے بعد قبیلہ دوس کے ایک سعید الفطرت رئیس طفیلؓ بن عمرو مکہ گئے اور وہاں سے مشرف بہ اسلام ہو کر واپس آئے۔ یہاں آ کر اُنھوں نے اپنی قوم کو بھی دعوتِ توحید دی لیکن سوائے چار آدمیوں کے کسی نے اُن کی آواز پر کان نہ دھرے۔ یہ چار افراد حضرت طفیلؓ کے والد، والدہ، اہلیہ اور حضرت ابوہریرہؓ تھے۔ کئی ماہ کی شبانہ روز مساعی کے باوجود جب دوس کے دوسرے لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے تو حضرت طفیلؓ شکستہ دلی کے عالم میں پھر مکّہ گئے اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض کی:

"یارسول اللہ میری قوم بڑی ناہنجار ہے میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ قبولِ حق پر آمادہ نہیں ہوئی آپ اس بدبخت قوم کے لیے بددعا فرمائیے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی بجائے دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْسًا

(اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما)

پھر حضورؐ نے حضرت طفیلؓ کو ہدایت کی کہ واپس جا کر تبلیغ جاری رکھو —— اب

جو حضرت طفیلؓ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور تبلیغ شروع کی تو لوگوں نے ان کی باتیں بڑے دھیان سے سنیں اور رفتہ رفتہ اسلام کی طرف راغب ہونے لگے اور پھر حضورؐ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ چند سال کے اندر اندر دوس کے بہت سے گھرانے مشرف بہ ایمان ہو گئے۔ اس دوران میں حضورؐ مکے سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، احد اور خندق کے معرکے بھی گزر گئے۔ اوائل ۷ھ ہجری میں حضرت طفیلؓ اپنے قبیلہ کے استی گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔ اس قافلے میں حضرت ابوہریرہؓ بھی اپنی والدہ کے ساتھ شامل تھے۔ حضورؐ اس وقت غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں تشریف فرما تھے حضرت طفیلؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور قافلے میں شریک دوسرے تمام مردوں کے ساتھ مدینہ سے خیبر پہنچے۔ راستے میں حضرت ابوہریرہؓ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ یہ شعر پڑھتے رہے:

یا لیلۃ من طولہا و عنائہا
علیٰ انہا من دار الکفر نجّت

(ہائے رات کی درازی اور مشقت کتنی بری ہے تاہم اس نے مجھے دار الکفر سے نجات بخشی)

حضرت ابوہریرہؓ نے وطن سے چلتے وقت ایک غلام کو بھی ساتھ لے لیا تھا راستے میں جو کہیں گم ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ خیبر پہنچ کر حضورؐ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے تو اتفاق سے ان کا غلام وہاں پہنچ گیا۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

"ابوہریرہ تمہارا غلام آ گیا۔"

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میں اسے اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔"

بیعت کے بعد حضرت ابوہریرہؓ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اقدس سے ایسے وابستہ ہوئے کہ آخری دم تک اسے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ و النہایہ" میں حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ روایت درج کی ہے کہ "سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تھے۔ میں اسی زمانے میں

مدینہ آیا۔ نمازِ فجر سباعؓ بن عرفطہ غفاری کی اقتدا میں پڑھی جن کو حضورؐ مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ سباعؓ نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری میں وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ (کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے) پڑھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا، فلاں ازدی شخص کا ستیاناس اس نے دو ترازو بنا رکھے تھے۔ ایک کے ساتھ کم تول کر دوسروں کو دیتا اور دوسری ترازو کے ساتھ لوگوں سے زیادہ لیا کرتا تھا۔"

نمازِ فجر کے بعد حضرت ابوہریرہؓ خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے اسلام کا ذکر کیا اور آپؐ کے سامنے اپنا توشہ پیش کیا جو آپؐ نے بخوشی قبول فرما لیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے دَوسی مہاجرین کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے دَوسی مجاہدین کو خیبر پر یلغار کرنے والی فوج کے میمنہ پر مقرر فرمایا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو حضرت ابوہریرہؓ بھی آپؐ کے ساتھ واپس آئے اور مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

۴

مدینہ منورہ آنے کے بعد سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کا زمانہ (۷ھ تا ۱۱ھ) حضرت ابوہریرہؓ کی تمام زندگی کا حاصل تھا۔ اس زمانے کا بیشتر حصہ اُنہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں گزارا۔ انہوں نے ایک تو اپنی مسکینی کی بنا پر اور دوسرے فیضانِ نبوی سے زیادہ سے زیادہ بہرہ یاب ہونے کی خاطر اصحاب صُفّہؓ کی مقدس جماعت میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، رات ہو یا دن، حج ہو یا غزوہ وہ ہر موقع پر بارگاہِ رسالت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ حضورؐ کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرتے رہیں اور نبوت کے سرچشمۂ علوم و معارف سے سیراب ہوتے رہیں۔ مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:-

"یا رسول اللہ آپ کا مشاہدۂ جمال میری روح کی تسکین و راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ابوہریرہ ہم سب سے زیادہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت طلحہؓ (صاحب احد) سے کسی شخص نے کہا: "ابومحمد ہم نہیں جانتے کہ یہ یمنی (ابوہریرہ) ارشاداتِ نبوی کا بڑا حافظ ہے یا آپ لوگ۔"

حضرت طلحہؓ نے فرمایا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوہریرہؓ نے لسانِ رسالت سے بہت سی ایسی باتیں سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ گھربار، اہل و عیال اور مال و جائداد والے تھے ان کی نگہداشت کے بعد صبح و شام کو جو وقت ملتا تھا، بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے۔ ابوہریرہ مسکین تھے، مال و متاع اور بیوی بچوں کے جھنجٹ سے آزاد تھے اس لیے حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپؐ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، اسی لیے ان کو ہم سب سے زیادہ حضورؐ کے ارشادات سننے کا موقع ملا۔ ہم میں سے کسی نے ان پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ حضورؐ سے سنے بغیر کوئی حدیث بیان کرتے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہؓ کو بارگاہِ نبوی میں اتنا تقرب حاصل ہو گیا تھا کہ دوسرے صحابۂ کرام جو سوالات حضورؐ سے پوچھنے میں جھجک محسوس کرتے تھے حضرت ابوہریرہؓ بڑی بے تکلفی سے وہ سوالات آپؐ سے پوچھ لیتے تھے۔

"مستدرکِ حاکم" میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھنے میں بہت جری تھے۔ وہ آپؐ سے ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوہریرہؓ کے اشتیاقِ حدیث کا اعتراف تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا: "یا رسول اللہ قیامت کے

دن کون خوش نصیب آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "تمہاری حرص علی الحدیث دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی اور نہ پوچھے گا۔"

دن رات حضورؐ کے فیضِ صحبت سے متمتع ہونے کی بناء پر حضرت ابوہریرہؓ کے سینے میں اس قدر احادیث کا ذخیرہ محفوظ ہوگیا تھا کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے:

"ابوہریرہ علم کا ظرف ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب العلم)

تحصیلِ علم کے بے پناہ شوق نے حضرت ابوہریرہؓ کو فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا تھا۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں ہر وقت کی حاضری کی خاطر بھوک پیاس اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں برداشت کیں۔ کئی کئی دن تک بھوکے رہے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے مگر ان کی طبیعت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنی معیشت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ترک کر دیں۔ علم کی خاطر بھوک اور ننگ کی تکلیفیں برداشت کرنا اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں اور نہ یہ ہر شخص کے بس کی بات ہے۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ ہی کا دل گردہ تھا کہ انہوں نے بارگاہِ نبوی سے تحصیلِ علم کو دنیا کی ہر شے پر ترجیح دی۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ایک بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت آیا۔ حضورؐ نے ازراہِ شفقت حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا، کیوں ابوہریرہ تمہیں بھی کچھ خواہش ہے؟

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میری خواہش تو یہی ہے کہ میں آپؐ سے علم سیکھتا رہوں، مال میرے کس کام کا ہے۔"

ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

"میرا حال یہ تھا کہ جب میرے پیٹ میں کچھ پڑ جاتا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا (تاکہ آپؐ کے ارشادات سے مستفیض ہو سکوں) یہی سبب تھا کہ نہ کبھی خمیری روٹی کھائی نہ عمدہ لباس پہنا اور نہ کوئی خادم یا خادمہ میسر آئی (کیونکہ یہ چیزیں کچھ کمانے کی متقاضی تھیں) جب بھوک ستاتی تو کسی

صاحب سے قرآن کی کوئی آیت پڑھنے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کی درخواست کرتا درآنحالیکہ وہ آیت مجھے خود یاد ہوتی۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ شاید اس طرح وہ صاحب مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہیں اور مجھے کھانا کھلادیں میں ان ستر اصحاب صُفّہ میں شامل تھا جن میں سے کسی کے پاس اوڑھنے کے لیے چادر تک نہ ہوتی تھی، بس ایک دھاری دار کپڑا یا کمبل ہوتا تھا جس کو وہ اپنی گردن میں باندھ لیتا تھا۔ جب بھوک ستاتی تو گھر سے نکل کر مسجد میں آجاتا۔"

حافظ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں حضرت ابوہریرہؓ کے فقر وافلاس اور حسنِ طلب کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کئی دن تک کچھ کھانے کو میسّر نہ آیا۔ بھوک سے بے تاب ہوکر باہر نکلے اور راہگزرِ عام پر کہنی سے زمین پر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ادھر سے گزرے۔ جی تو چاہا کہ ان سے کہیں، کچھ کھلایئے بھوک سے بیتاب ہوں، مگر حوصلہ نہ پڑا۔ البتہ حسنِ طلب کے طور پر قرآنِ حکیم کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی جس میں غریبوں اور مسکینوں کی اعانت پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس آیت کا مفہوم بتا کر یوں ہی گزر گئے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ گزرے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپؐ نے ان کے چہرے سے اندازہ فرمالیا کہ سخت بھوک میں مبتلا ہیں۔ آپؐ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے، وہاں دودھ سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ رکھا تھا جو کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا، جاؤ اور سب اہلِ صُفّہ کو بُلا لاؤ۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ پھر حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ یہ دودھ سب کو دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہر شخص نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ جو بچ گیا انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ تم پیو، انہوں نے پیا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا، پیو، انہوں نے پھر پیا۔ آپؐ برابر فرماتے رہے کہ پیو اور وہ پیتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اب میرے پیٹ میں مزید گنجائش نہیں ہے۔ اب باقی دودھ حضورؐ نے لے لیا اور خود نوش فرمایا۔

اربابِ سیَر نے حضرت ابوہریرہؓ سے متعلق اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ذی استطاعت صحابۂ کرام حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے اصحابِ صُفّہ کی خبرگیری فرماتے رہتے تھے اور سب سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا خیال رہتا تھا لیکن یہاں تو یہ کیفیت تھی کہ خود آقائے دوجہاںؐ بھی بھوک کی تکلیف سے نہیں بچے تھے۔ آپؐ کے پاس کبھی ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔ جب ہوتا سب کو تقسیم کر دیتے اور جب نہ ہوتا اس وقت حضرت ابوہریرہؓ جیسے عشاقِ علم کو البتہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔

(۵)

حضرت ابوہریرہؓ وطن سے چلتے وقت اپنی والدہ کو بھی ساتھ لیتے آئے تھے۔ ان کا نام باختلافِ روایت میمونہ یا اُمیمہ تھا۔ وہ جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور بڑے مشکل حالات میں حضرت ابوہریرہؓ کی پرورش کی تھی اس لیے حضرت ابوہریرہؓ ان کے بے حد اطاعت گزار تھے۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ حضرت ابوہریرہؓ تو مدینہ آنے سے پہلے ہی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے لیکن ان کی والدہ (اُمّ ابی ہریرہؓ) مدینہ آنے کے بعد بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ ماں کے شرک کی وجہ سے دل ہی دل میں کڑھتے رہتے لیکن جب بھی ماں کو توحید کی دعوت دیتے وہ اسے ٹھکرا دیتیں۔ ایک دن تو وہ دعوتِ اسلام کے جواب میں حضورؐ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہہ بیٹھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، واقعہ بیان کیا اور عرض کی:

"یا رسول اللہ میری ماں کے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔"

حضورؐ نے اسی وقت دُعا کی "الٰہی ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔"

حضرت ابوہریرہؓ خوش خوش گھر واپس آئے۔ دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور ماں غسل کر رہی ہیں۔ غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور بولیں:۔

"اے فرزند گواہ رہنا کہ میں اللہ اور اس کے سچے رسولؐ پر صدقِ دل

سے ایمان لاتی ہوں۔"
حضرت ابوہریرہؓ فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی:
"یا رسول اللہ بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی۔"
حضورؐ یہ خبر سُن کر بہت مسرور ہوئے۔
اب حضرت ابوہریرہؓ نے گزارش کی "یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سب مؤمنوں کے دل میں میری اور میری والدہ کی محبت پیدا کر دے۔"
حضورؐ نے دُعا فرمائی، اور اس کا اثر یہ ہوا کہ خود حضرت ابوہریرہؓ کے قول کے مطابق جو مؤمن آدمی ان کے بارے میں سنتا، ان سے محبت کرنے لگتا۔
(البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابنِ کثیر)
حضرت ابوہریرہؓ اپنی والدہ کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب وہ گھر آتے تو کہتے: "السلام علیک یا امتاہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ"
وہ جواب میں کہتیں: "وعلیک السلام یا بُنَیَّ و رحمۃ اللہ و برکاتہ"
پھر حضرت ابوہریرہؓ کہتے: "اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحم (رحمت) کرے جس طرح آپ نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا اور میری پرورش کی۔"
وہ جواب دیتیں: "اے بیٹے اللہ تعالیٰ تم پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہو کر میری خدمت کی۔"
حضرت ابوہریرہؓ کو والدہ سے جس قدر تعلقِ خاطر تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ چند دوسرے اصحابِ صُفّہ کے ساتھ بھوک سے پریشان ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔
حضورؐ نے پوچھا: "اس وقت کیسے آئے؟"
انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ بھوک کھینچ لائی ہے۔"

حضورؐ نے کھجوروں کا ایک طباق منگوایا اور ہر شخص کو دو دو کھجوریں دے کر فرمایا:
"یہ دو کھجوریں کھاؤ اور اس کے بعد پانی پیو۔ یہی دو کھجوریں تمہیں آج کے لیے کافی ہوں گی ۔" حضرت ابوہریرہؓ نے ایک کھجور کھالی اور دوسری اپنے دامن میں اٹھا کر رکھ لی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا "ابوہریرہ تم نے یہ کھجور کس لیے دامن میں رکھ لی؟"
انہوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ اپنی والدہ کے لیے ۔"
ارشاد ہوا: "تم یہ کھجور کھالو ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی تم کو دو کھجوریں دیں گے ۔"
انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے انہیں دو کھجوریں اور عطا کیں تاکہ اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کریں۔
حضرت ابوہریرہؓ زندگی بھر والدہ کے خدمت گزار رہے اور جب تک وہ حیات رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے بھی (تنہا) نہ گئے۔

⑥

حضرت ابوہریرہؓ آستانۂ نبوی کے ایک درویش طالب علم ہی نہیں تھے بلکہ ایک مردِ مجاہد بھی تھے۔ غزوۂ خیبر کے بعد انہوں نے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک (جیشِ عسرۃ) میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔
بعض موقعوں پر حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو کسی خاص مہم کی انجام دہی پر بھی مامور فرمایا۔ مسندِ احمد میں حضرت سلیمان بن یسارؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور دو (دشمنِ اسلام) قریشیوں کا نام لے کر فرمایا کہ اگر وہ مل جائیں تو ان کو نذرِ آتش کر دو لیکن جب ہم چلنے لگے تو فرمایا، میں نے تمہیں فلاں فلاں کو جلانے کا حکم دیا تھا مگر آگ کا عذاب خاصہ خداوندی ہے اگر وہ مل جائیں تو ان کو جلاؤ نہیں (تلوار سے) قتل کر دو۔
سُنَنِ ابنِ ماجہ میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو ایک خاص مہم سپرد

کی جب وہ چلنے لگے تو حضورؐ نے بہ نفسِ نفیس انہیں الوداع کہا اور فرمایا، میں تجھے خدا کی امانت میں دیتا ہوں جس کی امانت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

۹ھ ہجری میں تبوک سے واپسی پر حضورؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حضرت اُبوبکر صدّیقؓ کی امارت میں حج کے لیے مکہ بھیجا۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اس قافلہ کا نقیب بنایا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو منادی اور مُعلّم مقرر فرمایا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (۱۱ھ) کے بعد حضرت ابوبکر صدّیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صدّیقِ اکبرؓ نے بے مثال عزم وثبات کے ساتھ اس فتنہ کے خلاف جہاد کیا اور چند ماہ کے اندر اندر اس کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے صدّیقِ اکبرؓ کی معیت میں فتنۂ ارتداد کے خلاف پُرجوش حصہ لیا۔ مُسندِ احمد بن حنبلؒ میں خود ان سے روایت ہے کہ:

"جب فتنۂ ردّہ بپا ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، آپ مرتدین سے لڑنا چاہتے ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فلاں فلاں بات سُنی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق نہیں کروں گا اور جو شخص ان میں تفریق کرے گا، اس سے لڑوں گا پس ہم نے حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں مرتدین (منکرین زکوٰۃ) کے خلاف جہاد کیا اور اس میں بھلائی پائی۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہ عہدِ رسالت میں بھی حضرت علاءؓ بن عبداللہ حضرمی کے ساتھ بحرین جا چکے تھے اور وہاں کے لوگوں کو دینی احکام ومسائل سے آگاہ کیا تھا۔ منصبِ ولایت پر تقرر سے حضرت ابوہریرہؓ کے فقر وافلاس کا دَور ختم ہوگیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو ان کے پاس دس ہزار روپے (درہم یا دینار) تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے

عُمّال پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تو حضرت ابُوہُریرہؓ سے پوچھا کہ تم نے اتنی رقم کہاں سے لی ؟

انہوں نے کہا، میرے پاس کچھ گھوڑیاں تھیں ان کے یہاں بچے پیدا ہوئے، کچھ غلاموں کی کمائی سے اور کچھ تنخواہوں سے جو پے در پے میرے پاس جمع ہوتی رہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیقات کرائی تو جو کچھ حضرت ابُوہُریرہؓ نے کہا تھا بالکل درست نکلا۔ انہوں نے اب حضرت ابُوہریرہؓ کو دوبارہ بحرین کی امارت پر بھیجنا چاہا لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم کو امارت ناپسند ہے حالانکہ یوسف علیہ السلام نے جو تم سے بہتر تھے، اس کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابُوہُریرہؓ نے عرض کی " امیرالمؤمنین، یوسف علیہ السلام نبی ابن نبی تھے اور میں بے چارہ امیمہ کا بیٹا ہوں۔ میں اِن پانچ باتوں سے ڈرتا ہوں اور اسی وجہ سے منصبِ امارت پر فائز ہونا پسند نہیں کرتا۔

ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں۔

دوسری یہ کہ حجتِ شرعی کے بغیر کوئی فیصلہ کروں۔

تیسری یہ کہ مارا جاؤں

چوتھی یہ کہ میری بے عزتی کی جائے۔

پانچویں یہ کہ میرا مال چھینا جائے۔

حافظ ذہبیؒ نے " سیر اعلام النبلاء " میں اس سے مختلف واقعہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابُوہُریرہؓ نے چار لاکھ (درہم یا دینار) بحرین کا لگان جمع کر کے حضرت عمرؓ کو دیا۔ انہوں نے پوچھا، تم نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا ؟

حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی : " نہیں "

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا " تم اپنے لیے وہاں سے کیا لائے ؟ "

عرض کیا : " بیس ہزار "

حضرت عمر نے پوچھا : " یہ مال تم نے کیسے حاصل کیا ؟ "

انہوں نے جواب دیا: "تجارت کے ذریعے۔"
امیرالمؤمنینؓ نے فرمایا: "اپنا راس المال رکھ لو اور باقی رقم بیت المال میں جمع کرا دو۔"
ابن عساکرؒ نے "تاریخ دمشق" میں لکھا ہے کہ "حضرت ابوہریرہؓ جنگ یرموک میں شریک ہوئے تھے۔"
جنگ یرموک عہدِ فاروقی کی نہایت خونریز لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی فتح نے مسیحی شام کی قسمت کا قریب قریب فیصلہ کر دیا۔ اس معرکے میں کئی موقعوں پر رومیوں نے مسلمانوں پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ اگر حضرت ابوہریرہؓ اور ان جیسے دوسرے بہادر انہیں سنبھال نہ لیتے تو ان کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب رومی میسرے نے اسلامی میمنے پر قیامت خیز حملہ کیا تو حضرت ابوہریرہؓ کے قبیلہ ازد نے بڑی ثابت قدمی سے اس حملے کو روکا۔ حضرت جندبؓ بن عمرو ازدی نے اپنے جھنڈے کو زور سے ہلا کر بلند آواز سے کہا:

"اے قومِ ازد تم میں سے کوئی ہمیشہ زندہ نہ رہے گا، نہ اس وقت تک اپنے کو معصیت اور خواری سے بچا سکے گا جب تک وہ پوری استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کرے گا۔ کان کھول کر سن لو کہ مرنے والے کے لیے ذلت ہے۔"

اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ بھی آگے بڑھے اور اپنے قبیلے کو للکار کر کہا:

"بہادرو! حورانِ بہشتی تمہاری منتظر ہیں ان سے ملنے کے لیے اپنے کو آراستہ کر لو۔ اللہ کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ اللہ کے نزدیک نیکی کی اس سے زیادہ پسندیدہ جگہ کوئی نہیں ہے جہاں تم اس وقت کھڑے ہو۔"

حضرت ابوہریرہؓ کی آواز پر قبیلہ ازد کے بہادر ان کے گرد جمع ہو گئے اور سب نے مل کر اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر ہو گئیں۔ (یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے

کہ قبیلہ دوس، قبیلہ ازد ہی کی ایک شاخ تھا اس لیے حضرت ابوہریرہؓ کو دوسی کہہ لیا جائے یا ازدی، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔)

ارباب سیر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے شام کے کئی اور معرکوں میں بھی دادِ شجاعت دی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے آخر عہدِ خلافت میں جب آذربائیجان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ ترکوں کے مقابلہ پر مامور ہوئے۔ اس فوج کشی میں حضرت ابوہریرہؓ بھی مجاہدانہ شریک تھے لیکن ابھی یہ مہم ناتمام تھی کہ حضرت عمرؓ نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسندنشینِ خلافت ہوئے۔ ان کے زمانے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ نے بلنجر پر حملہ کیا لیکن لڑائی میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی سلمان بن ربیعہؒ ان کے قائم مقام ہوئے۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کے ساتھ بلنجر سے جیلان ہوتے ہوئے جرجان گئے اور ان شہروں کی تسخیر کے لیے جو معرکے پیش آئے ان میں سرفروشانہ حصہ لیا۔

(۷)

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت کے نصفِ اوّل میں مشرقی ممالک کے جہاد میں حصہ لینے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ مدینہ منورہ واپس آ گئے اور خاموشی سے حدیث کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ جب حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورش برپا ہوئی اور باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے بڑے پُرجوش طریقے سے لوگوں کو امیرالمومنینؓ کی امداد و حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ان صحابہ کرامؓ میں شامل تھے جو حضرت عثمانؓ کے دفاع کے لیے آئے تھے اور ان کے گھر میں موجود تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنہ

اور اختلاف میں مبتلا ہو گے۔ لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ اس دورِ فتن میں
ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا، تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ
ہونا چاہیے۔"
اس سے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی طرف اشارہ تھا۔
امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نیک نفسی کے درجۂ کمال پر تھے۔ انہوں نے اس آڑے
وقت میں بھی اپنے حامیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ تاہم بقول ابن سعدؒ و ابن اثیرؒ
امیر المومنینؓ کے بعض حامیوں نے باغیوں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے تلوار سے کام لے ہی لیا۔ ان
میں حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل تھے۔ لیکن تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ کچھ باغی پچھلی
طرف سے دیوار پھلانگ کر اندر گھس آئے اور ضعیف العمر امیر المومنینؓ کو نہایت بیدردی
سے اس حالت میں شہید کر ڈالا کہ وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کو
اس سانحۂ جانگداز سے سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے دل برداشتہ ہو کر عزلت گزینی
اختیار کر لی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں (جنگ جمل و
جنگِ صفین) وہ ان سے یکسر کنارہ کش رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سُنا ہے کہ میرے بعد بہت سے فتنے برپا ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے
والے سے بہتر ہے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے افضل ہے۔ جو شخص ان فتنوں کی
طرف جھانکے گا، فتنے اس کی طرف جھانکیں گے۔ جس شخص کو ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی
کوئی جگہ مل جائے تو وہ اس میں پناہ لے۔ (مسندِ احمدؒ)
بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابوہریرہؓ
نے بعض موقعوں پر اہلِ مدینہ کو نماز پڑھائی۔
۴۰ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور حضرت حسنؓ سریر آرائے
خلافت ہوئے۔ وہ چند ماہ بعد امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو
حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ امیر معاویہؓ نے مختلف صوبوں
میں اپنے والی مقرر کیے تو مروان بن الحکم کو مدینہ منورہ کا والی مقرر کیا۔ وہ جب کبھی مدینہ منورہ

سے باہر جاتا تو حضرت ابوہریرہؓ کو اپنا نائب یا قائم مقام مقرر کر دیتا تھا۔

طبری کا بیان ہے کہ مروان اپنے زمانۂ امارت میں ۵۴ھ ہجری اور ۵۵ھ ہجری میں دو مرتبہ حج کے لیے مکہ معظمہ گیا اس نے ایک دفعہ یا دونوں مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ اور حافظ ذہبیؒ کا بیان مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ جب مروان والیٔ مدینہ سے ناراض ہو جاتے تو اسے معزول کر دیتے اور اس کی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ کا والی مقرر کر دیتے اور جب حضرت ابوہریرہؓ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تو ان کی جگہ مروان کو مدینہ کا والی بنا دیتے۔ (مسندِ احمد و سیر اعلام النبلاء)

بہر صورت حضرت ابوہریرہؓ نے بعض موقعوں پر امارتِ مدینہ کے فرائض ضرور انجام دیے۔ (بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ)

⑧

۵۸ھ ہجری میں حضرت ابوہریرہؓ سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ جانبری کی اُمید نہ رہی۔ لوگ عیادت کو آتے تو وہ اس حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تاہم دنیا سے دل سرد ہو چکا تھا۔ حضرت ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؓ عیادت کے لیے آئے اور ان کی صحت کے لیے دعا کی تو وہ بولے:

"اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا۔"

دو دفعہ یہ کلمات دہرائے۔ پھر حضرت ابوسلمہؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ابوسلمہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ زمانہ دُور نہیں جب لوگ موت کو سرخ سونے کے ذخیرہ سے زیادہ محبوب سمجھیں گے۔ تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی مسلمان کی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش بجائے اس کے میں اس قبر میں مدفون ہوتا۔"

مرض الموت میں ایک دن رونے لگے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

" میں اس دنیا کی دلفریبیوں کے چھوٹ جانے پر نہیں روتا میں تو اس لیے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کم۔ میں اس وقت جنت و دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں، معلوم نہیں کس راستہ پر جانا پڑے۔"

مروان بن الحکم عیادت کے لیے آیا اور ان کی شفایابی کی دعا کی تو فرمایا:

" اے اللہ میں تیری ملاقات چاہتا ہوں تو بھی میری ملاقات پسند کر۔"

جب آخری وقت آیا تو وصیت کی:

" میری قبر پر خیمہ نہ لگانا، جنازہ کے پیچھے آگ لے کر نہ چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ جب مؤمن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور جب کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو کہتا ہے مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔"

اس کے بعد انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت وہ عمر کی ۷۸ منزلیں طے کر چکے تھے۔ ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کا سالِ وفات ۵۷ھ ہجری بیان کیا گیا ہے لیکن واقدیؒ، ابو عبیدؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کے قول کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی اور اُمّ المؤمنین نے رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری میں وفات پائی تھی۔ اس قول کی روشنی میں حضرت ابوہریرہؓ کی تاریخِ وفات رمضان ۵۸ھ ہجری کے بعد تسلیم کرنی پڑے گی۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ کا سالِ وفات ۵۹ھ ہجری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی نمازِ جنازہ اس وقت کے امیر مدینہ ولید بن عتبہ نے پڑھائی۔ اکابر صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ جنازہ میں شریک تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ جنازہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ کے لیے دُعائے مغفرت کرتے جاتے تھے۔ نمازِ جنازہ کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے صاحبزادوں نے چارپائی کو کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور اسلام کے اس

رجلِ عظیم کو فخرِ مہاجرین میں سپردِ خاک کر دیا۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ولید بن عتبہ نے امیر معاویہؓ کو حضرت ابوہریرہؓ کی وفات کی اطلاع دی تو انہوں نے ولید کو لکھا کہ ابوہریرہؓ کے پسماندگان کو دس ہزار درہم دے دو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ ابوہریرہؓ حامیانِ عثمانؓ میں سے تھے اور محاصرہ کے وقت ان کے گھر میں موجود تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے۔ (انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شادی کر لی تھی) بچوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ صاحبزادوں کے نام المحرّر، عبدالرحمٰن اور بلال تھے۔ صاحبزادی کا نام معلوم نہیں البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ رئیس التابعین حضرت سعیدؒ بن مسیّبؒ سے بیاہی گئی تھیں۔ بڑے صاحبزادے المحرّرؒ نے اپنے والد نیز حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

۹

حضرت ابوہریرہؓ علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتنا بڑا ذخیرہ اُمّت کو بہم پہنچایا ہے کہ ان کے اس بارِ احسان سے یہ اُمّت کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ان سے مروی ۵۳۷۴ احادیث ہیں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں، ۹۷ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر تعداد میں براہِ راست احادیث روایت کیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے متعدد صحابۂ کرامؓ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور مندرجہ ذیل اکابر صحابہ شامل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری، حضرت اُسامہؓ بن زید حِبُّ النبیؐ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ۔

خود حضرت ابوہریرہؓ سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ مندرجہ ذیل

صحابہؓ نے احادیث روایت کی ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو رافعؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت واثلہؓ بن الاسقع، حضرت ابوایوبؓ انصاری، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت زیدؓ بن ثابت۔

ان کے علاوہ تابعینِ عظام کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کی ہے۔ ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:
سعیدؒ بن مسیبؒ، ابوادریس خولانیؒ، ابوعثمان نہدیؒ، ابوزرعہؒ، ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن عوف، حسن بصریؒ، محمدؒ بن سیرین، سلیمان بن یسارؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، عامر شعبیؒ، عکرمہؒ، عروہؒ بن زبیرؒ، نافع بن جبیرؒ، قبیصہ بن ذویبؒ، حفصؒ بن عاصمؒ بن عمر فاروقؓ، اعرجؒ اور عامرؒ بن سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہم۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کے رواۃِ حدیث کی تعداد آٹھ سو سے بھی زیادہ ہے، ان میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابوہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے تھے حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ خود صحابی ہیں اور ابوہریرہؓ سے روایت کر رہے ہیں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں روایت نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا، ابوہریرہؓ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ہم وہ نہ سن سکے مجھے یہ بات پسند ہے کہ جو حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی وہ آپؐ کے بجائے ابوہریرہؓ سے روایت کروں۔

والیٔ مدینہ مروان بن الحکم، حضرت ابوہریرہؓ کی جلالتِ قدر کا قائل تھا اور ان کا بہت احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی غصہ میں آ کر ان سے الجھ پڑتا تھا اور اس کا سبب

یہ ہوتا تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ اس کو کوئی ناروا کام کرتا دیکھتے تو برملا ٹوک دیتے تھے۔
ایک مرتبہ مروان نے کسی بات پر برہم ہو کر ان سے کہا:

"لوگ کہتے ہیں کہ آپ بہت زیادہ حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے مدینہ آئے۔"

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:

"میں جب مدینہ آیا حضورؐ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت میری عمر تیس برس سے کچھ اوپر تھی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد میں سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہا۔ آپؐ کی معیت میں ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں میں جاتا تھا، آپؐ کی خدمت کرتا تھا، آپؐ کی ہمرکابی میں غزوات میں شریک ہوتا تھا، حج میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوتا تھا اس لیے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں۔ خدا کی قسم جن لوگوں کو مجھ سے پہلے آپؐ کا شرفِ صحبت حاصل تھا وہ بھی بارگاہِ رسالت میں میری حاضرباشی کا اعتراف کرتے تھے اور مجھ سے حدیثیں پوچھتے تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔"

ان کا جواب سن کر مروان خاموش ہو گیا۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کا امتحان لینا چاہا۔ اس نے ایک کاتب کو چھپا کر بٹھا دیا اور حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر کسی خاص موضوع پر حدیثیں پوچھنا شروع کیں۔ وہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب ان سے درپردہ لکھتا جاتا تھا۔ دوسرے سال اس نے پھر اسی طریقہ سے حدیثیں پوچھیں۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے بلاکم و کاست اسی طرح احادیث بیان کیں جس طرح پچھلے سال بیان کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔
حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کے سوا کوئی شخص مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں جانتا اور عبداللہؓ بھی اس لیے زیادہ حدیثیں جانتے ہیں

کہ وہ حضورؐ کے ارشادات کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (یہ صحیح بخاری (کتاب العلم) کی روایت ہے۔)

"مستدرک حاکمؒ" کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ بھی حدیثیں لکھ لیتے تھے اس طرح انھوں نے ایک کتاب مُدَوَّن کر لی تھی۔ شارحین حدیث نے ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضورؐ کے وصال کے بعد اپنے حافظہ میں محفوظ تمام حدیثوں کو لکھ کر ایک کتاب میں جمع کر دیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص جن کو حضرت ابوہُریرہؓ اپنے سے زیادہ عالم حدیث سمجھتے تھے۔ ان سے صرف سات سو احادیث مروی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کثرتِ روایت کے باوجود حدیثوں کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حضورؐ پر افترا باندھا اس نے اپنے آپ کو جہنّم کا مستحق بنا لیا۔ ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا معمول تھا کہ بازار میں سے گزرتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے، لوگو! جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں ابوہُریرہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا گھر دوزخ میں بنا لے۔

حضرت ابوہریرہؓ صرف عالمِ حدیث ہی نہ تھے بلکہ فقہ اور اجتہاد میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ ان کا شمار مدینہ منوّرہ کے فقہاء میں ہوتا تھا اور وہ دوسرے فقہاءِ صحابہ کی طرح فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مادری زبان عربی تھی۔ اس کے علاوہ وہ فارسی بھی جانتے تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ ان کو توراۃ کے مسائل پر بھی عبور حاصل تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کو اللہ تعالیٰ نے جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی، وہ زندگی کے آخری سانس تک اسی فیاضی کے ساتھ اس دولت کو عامۃ المسلمین میں لٹاتے رہے۔ وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان تک ارشاداتِ نبوی

پہنچاتے رہتے تھے۔ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ وہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے اس وقت تک حدیثیں بیان کرتے رہتے جب تک امام اپنے حجرہ سے باہر نہ آتا۔

۱۰

حضرت ابوہریرہؓ کے گلشنِ اخلاق میں علم کی تحصیل اور اشاعت کا شوق، حُبِّ رسول، اتباعِ سُنّت، شغفِ عبادت، حق گوئی و بے باکی، سادگی، فیّاضی اور سیر چشمی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ اُنہوں نے حصُولِ علم کی خاطر جس طرح مشقتیں برداشت کیں اور دن رات ایک کر دیئے، تاریخ میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ پھر اس علم کو انہوں نے اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ زندگی بھر نہایت ذوق و شوق سے اس کی اشاعت کرتے رہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبّت کا یہ عالم تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہِ رسالتؐ میں گزارتے تھے اور حضورؐ کی زیارت، معیت اور خدمت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ وہ ہر اس شخص سے بھی محبت کرتے تھے جو حضورؐ کو عزیز ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کے سامنے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا، " الٰہی میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ " اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ جب بھی حضرت حسنؓ کو دیکھتے تھے تو فرطِ محبت سے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

" مسندِ احمد بن حنبلؒ " میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو ان سے کہا، ذرا اپنے جسم سے کپڑا ہٹایئے تاکہ میں اس حصہ پر بوسہ دوں جس پر حضورؐ بوسہ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے کپڑا ہٹا دیا اور حضرت ابوہریرہؓ نے ان کی ناف کو چوم لیا۔

اتباعِ سُنّت کی یہ کیفیت تھی کہ ہر کام میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ عبادات میں بھی آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپؐ کے ارشادات کی تعمیل اور آپؐ کے طرزِ عمل کا اتباع کرتے تھے ساتھ ہی لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ کسی کو خلافِ سُنّت کام کرتا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے

اور جو کچھ اس بارے میں حضورؐ سے سنا ہوتا وہ سنا دیتے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد عمدہ غذا سے صرف اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ آپؐ نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک دفعہ ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا، انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے معذرت کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ نے کبھی سیر ہو کر جَو کی روٹی بھی نہ کھائی۔

عبادت اور ذکرِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ رات کو اٹھ کر خود بھی عبادت کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شب بیدار بناتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں ابو عثمان نہدیؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں سات دن حضرت ابوہریرہؓ کا مہمان رہا حضرت ابوہریرہؓ، ان کی اہلیہ اور ان کا غلام رات کو باری باری جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر مہینہ کے شروع یا آخر میں تین روزے پابندی سے رکھتے تھے۔ اکثر تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ جب تھیلی ختم ہو جاتی تو پھر بھر دا لیتے۔ حضرت عکرمہؒ (مشہور تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کرتے تھے۔ بعض اوقات رات کو زور زور سے تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک دن مضارب بن جزء رات کو باہر نکلے (یا دورانِ سفر میں) انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی تکبیریں سنیں تو ان کے پاس جا کر پوچھا، اس وقت آپ کیوں تکبیریں پکار رہے ہیں؟

کہنے لگے خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا جب میں بسرہ بنتِ غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا۔ پھر وہ دن آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے عقد میں دے دیا۔

مسندِ احمدؒ میں ہے کہ وہ ارکانِ عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

حق بات کہنے میں حضرت ابوہریرہؓ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے امیرِ مدینہ مروان بن الحکم کے زیرِ تعمیر مکان میں تصویریں آویزاں

دیکھیں۔ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری مخلوق جیسی مخلوق بناتا ہے۔ ذرا ایک چیونٹی تو پیدا کر کے دکھلائے (یا ذرہ برابر غلہ یا جَو تو پیدا کر کے دکھائے)

صحیح مسلم میں ہے کہ مروان کے زمانۂ امارت میں (غلہ، کھجور وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں) ہنڈی کا رواج چل پڑا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مروان کے پاس گئے اور اس سے کہا، تم نے سود حلال کر دیا۔ اس نے کہا، معاذ اللہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ انہوں نے فرمایا، تم نے ہنڈی کو رائج کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیائے خوراک کی فروخت کی اس وقت تک ممانعت فرمائی جب تک خریدار ان کو ناپ تول نہ لے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد سُن کر مروان نے اس طریقہ کو منسوخ کر دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی زندگی کا پہلا دَور سخت تنگدستی اور افلاس کا تھا۔ دوسرا دَور آسودہ حالی اور تموّل کا تھا۔ پہلے دَور میں انہوں نے سخت مصیبتیں برداشت کیں لیکن صبر اور قناعت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، جو کچھ کھانے کو مل جاتا اسی پر قناعت کر لیتے جب کچھ بھی نہ ملتا تو فاقہ کرتے یا روزہ رکھ لیتے۔ ایک دن ان کے پاس پندرہ کھجوریں تھیں، انہوں نے پانچ کھجوروں سے روزہ افطار کیا، پانچ سحری کے وقت کھالیں اور پانچ روزہ افطار کرنے کے لیے باقی رکھ لیں۔ ان کے داماد حضرت سعیدؒ بن مسیّبؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ گھر آتے اور اہلِ خانہ سے پوچھتے کہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود ہے؟ اگر اہلِ خانہ نفی میں جواب دیتے تو وہ فرماتے، میں نے روزہ رکھ لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں آسودہ حال کیا تو بہترین ریشمی کپڑے پر تھوکتے۔ (یا بروایت دیگر کتان کے کپڑے پہن کر ان سے ناک صاف کرتے) اور فرماتے، ابوہریرہ آج تو ریشمی کپڑوں پر تھوک رہا ہے (یا کتان سے ناک صاف کر رہا ہے) ایک زمانہ وہ تھا جب تو حجرۂ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور منبرِ نبوی کے درمیان غش کھا کر گر پڑتا تھا لوگ تیری گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے کہ ابوہریرہ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ تیری یہ حالت بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ فطرتاً نہایت سادہ مزاج تھے۔ آسودہ حال ہو کر بھی اپنی سادہ

وضع قائم رکھی۔ امارتِ مدینہ کے زمانے میں ان کی سادگی کی یہ کیفیت تھی کہ شہر سے نکلتے تو گدھا سواری میں ہوتا اس پر نمدے کا پالان کسا ہوتا تھا اور اس کی لگام کھجور کی چھال کی ہوتی تھی۔ جب کوئی سواری کے راستے میں آجاتا تو ہنس کر کہتے راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔

اسی زمانے میں خود لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر گھر لے جاتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ثعلبہ بن ابی مالک القرظی ملے، ان سے کہنے لگے، ابو مالک اپنے امیر کے لیے راستہ کھلا کر دو۔ انہوں نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے راستہ تو کافی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا، تمہارا امیر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے اس کے لیے راستہ کھلا کر دو۔ (طبقات ابنِ سعد)

حضرت ابوہریرہؓ خوفِ آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ایک دفعہ شقیا اصبحیؒ مدینہ آئے اس وقت حضرت ابوہریرہؓ کچھ لوگوں کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے۔ شقیاؒ بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ جب وہ حدیث سنا چکے اور لوگ چلے گئے تو شقیاؒ نے عرض کی، "اے صاحبِ رسول مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہو اور سمجھا ہو۔" حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، ایسی ہی حدیث بیان کروں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو کہا، میں تم کو ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمائی تھی جب میرے سوا کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑے۔ ہوش آیا تو پہلی بات کا اعادہ کر کے تیسری مرتبہ بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑے۔ شقیاؒ نے انہیں سنبھالا اور منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اب ہوش آیا تو کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے تین آدمی پیش کیے جائیں گے۔ ایک عالمِ قرآن، دوسرا میدانِ جہاد میں لڑ کر مارا جانے والا اور تیسرا دولت مند۔ اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھے قرآن کی تعلیم نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا، ہاں خدایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا، دن رات اس کی تلاوت

کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے۔ تلاوت میرے لیے نہیں بلکہ اس لیے کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کہیں اور یہ خطاب تو نے حاصل کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ میدانِ جہاد کے مقتول سے سوال کرے گا کہ تو کیوں قتل ہوا؟ وہ کہے گا، تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، میں نے جہاد کیا اور مارا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ کہتا ہے تو نے میری راہ میں جہاد نہیں کیا بلکہ اس لیے لڑا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور یہ خطاب تو لوگوں سے پا چکا۔ پھر دولت مند سے سوال کرے گا کیا میں نے تجھے مال و دولت عطا کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟ وہ کہے گا، "بے شک خدایا" اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو نے یہ دولت کیسے صَرف کی؟ وہ کہے گا، میں صلۂ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے۔ صدقہ و خیرات سے تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھ کو فیّاض اور سخی کہیں اور لوگوں نے تجھے ایسا کہا۔ یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا، ابوہریرہ سب سے پہلے ان تینوں کے لیے جہنّم کی آگ دہکائی جائے گی۔

فیاضی اور سیر چشمی بھی حضرت ابوہریرہؓ کا خاص وصف تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لُٹاتے رہتے تھے اور صدقہ و خیرات کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مروان نے انہیں سَو دینار بھیجے، انہوں نے یہ سب کے سب صدقہ کر دیئے۔ اگلے دن مروان نے یہ دینار واپس مانگ بھیجے کہ یہ کسی اور کے لیے تھے آپ کو غلطی سے چلے گئے۔ انہوں نے کہلا بھیجا، وہ دینار میں نے کسی کو دے دیئے انہیں میری تنخواہ سے وضع کر لینا۔ مروان کا مقصد صرف ان کو آزمانا تھا۔ مہمان نوازی میں بھی وہ آپ اپنی مثال تھے۔ بعض لوگ ان کے پاس آکر کئی کئی ہفتے قیام کرتے تھے اور وہ ان کی نہایت کشادہ دلی سے خاطر مدارات کرتے تھے۔

اربابِ سیر نے حضرت ابوہریرہؓ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے:

گندمی رنگ، چوڑی چکلی چھاتی، سر پر زُلفیں، دانت چمکدار، آگے کے دو دانت کشادہ۔ بالوں میں باختلافِ روایت زرد یا سرخ خضاب کرتے تھے۔

سیّدنا حضرت ابوہریرہؓ سے مروی چند احادیث بغرضِ افادہ و تبرّک یہاں درج کی جاتی ہیں: ————

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

- اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور چہروں کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر تو تمہارے دلوں پر ہے۔ (مسلم)
- بہادر وہ نہیں جو کشتی میں دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ اصل بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری)
- اللہ تعالیٰ غیور ہے اور اس کی غیرت یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ اس کے حرام کیے ہوئے کاموں کو کرے۔ (بخاری)
- جب تو صدقہ و خیرات کرے تو ایسی حالت ہو کہ تندرست ہو اور تجھے خود بھی مال کی ضرورت ہو ایسے صدقہ کا تو بہت ثواب ہے لیکن ایسی حالت میں کہ تو مرنے لگا ہے اور تو کہتا ہے کہ میرے مرنے پر اتنا فلاں کو دینا اور اتنا فلاں کو۔ تو ایسے صدقہ کا وہ ثواب نہیں کیونکہ اب تو نہ دے گا تب بھی مرنے کے بعد تیرا مال وارثوں کو ہی لینا ہے تیرے پاس سے تو بہر حال اب اس مال کو چلے جانا ہے۔ (بخاری)
- ایک شخص سفر کر رہا تھا کہ اس کو سخت پیاس لگی۔ اس کو ایک باؤلی ملی وہ اس میں اتر گیا اور پانی پی کر باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا پیاس کی شدت میں گیلی مٹی چاٹ رہا ہے اور اس کو پیاس سے وہی تکلیف ہے جیسی خود اس کو پانی پینے سے پہلے تھی۔ یہ دیکھ کر وہ شخص پانی میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھر کر منہ میں پکڑے ہوئے ہاتھوں کے ذریعہ باؤلی سے چڑھا اور وہ پانی کتے کو پلایا۔ اللہ کو اس کی یہ نیکی پسند آئی اور اس کے طفیل اللہ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں ہر ذی روح کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ (بخاری)
- منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ (مسلم)

○ جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ لوگوں میں کمزور، بوڑھے اور بیمار بھی ہوتے ہیں اور جب اکیلا پڑھے تو جتنی لمبی چاہے پڑھے۔ (بخاری)

○ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس کی خیانت کرے، نہ اس کے آگے جھوٹ بولے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور ہر مسلمان کا خون، عزت اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ لوگو تقویٰ تو دل کا کام ہے۔ یاد رکھو کہ انسان کے لیے یہی بڑی بدی ہے کہ وہ دوسرے بھائی سے حقارت سے پیش آئے۔ (مسلم)

○ لوگو پناہ مانگو مصیبتوں، بدبختیوں، بری قسمت اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع ملنے سے۔ (بخاری)

○ لوگو حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔ (بخاری)

○ دو باتیں لوگوں میں جاہلیت کی باتوں میں سے ہیں ایک کسی کو حسب نسب پر طعن دینا دوسرے مردے پر نوحہ کرنا۔ (مسلم)

○ جھوٹی قسم سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے مگر تاجر کی کمائی میں برکت نہیں رہتی۔ (بخاری)

○ بڑا بدقسمت وہ شخص ہے کہ اس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور پھر وہ میرے حق میں دعائے خیر نہ کرے (یعنی مجھ پر درود نہ بھیجے)۔ (مسلم)

○ جب کوئی شخص اپنے بستر پر جانے لگے تو اسے چاہیے کہ اپنے کپڑے کے دامن سے بستر جھاڑے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کیا کچھ (کیڑا مکوڑا) اس کے خالی بستر پر پڑا ہے۔ پھر کہے اے میرے رب تیرا نام لے کر میں اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے فضل ہی سے میں سو کر اٹھوں گا۔ اے اللہ اگر تو نے (سوتے میں) میری روح قبض کر لی تو اس جسم پر رحم فرمائیو اور اگر میری روح قبض نہیں کرنی تو پھر (جاگنے کے بعد) اس کی حفاظت کیجیو جیسا کہ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ (بخاری)

○ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے

تین قسم کے کاموں کے، ایک تو صدقہ جس کا فیض جاری ہو، دوسرے اس کا علم جس سے دوسرے نفع پائیں اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔ (مسلم)

○ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص تنگدست ہو تو اس سے درگزر کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے درگزر کرے جب وہ فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔ (مسلم)

○ دشمن سے مٹھ بھیڑ کی کبھی آرزو نہ کیا کرو مگر ہاں جب مٹھ بھیڑ ہو جائے تو خوب صبر سے لڑو۔ (بخاری)

○ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے خاوند یا محرم رشتہ دار کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر بھی کرے۔ (بخاری)

○ دو آدمیوں کا کھانا تین کو اور تین کا چار کو کافی ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

○ تم میں سے کسی کو دعوت پر بلایا جائے تو قبول کرلو، اگر روزہ رکھا ہوا ہے تو وہاں دعا ہی کرلو اور اگر روزہ نہیں ہے تو کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ (مسلم)

○ جب نماز (جماعت) کھڑی ہو جائے تو تم لوگ دوڑ کر نہ آیا کرو بلکہ چل کر آیا کرو اور وقار و سکینت کو لازم پکڑو۔ جو حصہ نماز کا پالو وہ امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے وہ بعد میں پورا کرو۔ (بخاری)

○ تم میں سے کوئی شخص کبھی موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ شخص نیک ہے تو (زندہ رہنے کی صورت میں) امید ہے کہ اور زیادہ نیکیوں کی توفیق مل جائے اور اگر بُرا ہے تو ممکن ہے کہ توبہ کا موقع میسّر آجائے۔ (بخاری)

○ صدقہ کرنے سے کبھی مال و دولت میں کمی نہیں آتی اور جو لوگوں کے قصور معاف کرے تو معاف کرنا کبھی موجب ذلت نہیں بلکہ ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ عزت بڑھائے گا۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خاطر خاکساری اختیار کی، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرمائے گا۔ (مسلم)

○ جو شخص مال جمع کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ گویا لوگوں سے

آگ کا انگارہ مانگتا ہے، اب خواہ کم ملے یا زیادہ۔ (مسلم)

○ دولت مندی زیادہ مال و دولت کا نام نہیں بلکہ دولت مندی تو دل کی دولت مندی ہے۔ (بخاری)

○ اپنے سے کم درجے والوں کی حالت کا مشاہدہ کیا کرو اور اپنے سے بڑے مرتبے والوں کی حالت کو زیادہ مت دیکھو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو انعامات تم پر اللہ کے ہیں، ان کی بے قدری نہ کر سکو گے۔ (مسلم)

○ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے اور جس کا اللہ اور قیامت پر ایمان ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی باتیں کرے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری)

○ جو شخص بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری میں رہتا ہے اس کو وہی درجہ ملے گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو، ساری ساری رات تہجد پڑھنے والے کو اور ساری عمر روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔ (بخاری)

○ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حق ہیں ۔۔ (۱) سلام کا جواب دینا۔ (۲) بیمار پرسی کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک مارے تو یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہنا۔ (بخاری)

رضی اللہ تعالٰی عنہ

حضرت شقران صالح رضؓ

حضرت شقران صالحؓ کی جلالتِ قدر کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ فخرِ موجودات سرورِ کائنات رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ نام صالح تھا اور شقران لقب تھا۔ والد کا نام عدی تھا اور آبائی وطن حبش تھا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے غلام تھے۔ بعد میں انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے انہیں اپنی خدمت گزاری کے لیے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو قیمت دے کر خرید لیا لیکن یہ روایت مستند نہیں کیونکہ حضورؐ کا کسی غلام کو قیمتاً خریدنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شقران صالحؓ حضورؐ کو میراثِ پدر میں ملے تھے۔ لیکن اس روایت کی اسناد بھی زیادہ قوی نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ انہیں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضورؐ کی نذر کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے انہیں فوراً آزاد کر دیا اور ایک دوسرے قول کے مطابق غزوۂ بدر کے بعد آزاد کیا۔ بہرصورت انہوں نے ہر حال میں حضورؐ کی خدمت میں رہنا پسند کیا اور آپؐ کے وصال تک شمعِ رسالت کے پروانے بنے رہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ خاص حضرت شقران صالحؓ کے ذمہ یہ خدمت کی کہ وہ غزوات میں مالِ غنیمت اور قیدیوں کی نگرانی کیا کریں۔ غزوۂ بدر میں انہوں نے قیدیوں کی نگرانی نہایت نرمی اور ملاطفت سے کی۔ ان قیدیوں نے خوش ہو کر ان کو اس قدر معاوضہ دیا کہ بقول ابنِ سعدؒ انہیں مالِ غنیمت سے حصہ لینے کی احتیاج ہی نہ رہی

بلکہ جن کو حصہ ملا وہ ان سب سے زیادہ نفع میں رہے، انہوں نے حسن و خوبی سے اپنا فرض انجام دیا، حضورؐ نے اس پر اظہارِ خوشنودی فرمایا۔

غزوۂ بنو مصطلق میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شکست خوردہ دشمن کا سامانِ جنگ، مال و اسباب و مویشی وغیرہ جمع کرنے اور ان کی دیکھ بھال پر مامور فرمایا۔ یہ خدمت بھی انہوں نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے انجام دی۔

حضرت شقران صالحؓ کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت اور عقیدت تھی اور وہ آپؐ کے ہر حکم کی جلد از جلد تعمیل کرنے میں اپنی جان لڑا دیتے تھے۔ حضورؐ انہیں اپنے کسی ذاتی کام کے لیے حکم دیتے یا کوئی دینی خدمت ان کے سپرد فرماتے، وہ اسے نہایت مستعدی اور دیانتداری کے ساتھ انجام دینا اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضورؐ انہیں بہت عزیز جانتے تھے اور اپنا نہایت قابلِ اعتماد جاں نثار سمجھتے تھے یہاں تک کہ آپؐ نے اپنے وصال سے پہلے خاص طور سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سب سے بڑی سعادت جو حضرت شقران صالحؓ کو نصیب ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں اہلِ بیت اور چند دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ شریک تھے۔ بقول حافظ ابنِ حجرؒ جس وقت حضورؐ کا جسدِ اطہر قبر میں رکھا گیا تو حضرت شقران صالحؓ بھی اس وقت موجود تھے اور انہوں نے حضورؐ کی چادر مبارک اپنے ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت شقران صالحؓ کہاں رہے اور کب تک حیات رہے، اربابِ سیر ان سوالوں کا کوئی یقینی جواب نہیں دیتے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اخیر دم تک مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے اور بعض کہتے ہیں کہ بصرہ چلے گئے جہاں انہوں نے اپنا ذاتی مکان بنوا لیا تھا۔ مقامِ وفات اور سالِ وفات کے بارے میں بھی سب خاموش ہیں البتہ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد تک وہ زندہ تھے ـــــ حضرت شقران صالحؓ سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں۔ بقول حافظ ابنِ حجرؒ عبید اللہ بن ابو رافعؓ نے ان سے روایت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثوبانؓ — مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

①

ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی جگہ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی عالم نے آکر کہا " اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ " حضورؐ کے ایک جاں نثار کو جو اس وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر تھے، یہودی عالم کے اندازِ تخاطب پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے اس کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے سنبھل کر وجہ پوچھی تو حضورؐ کے وہ جاں نثار کڑک کر بولے " تو نے یا رسول اللہ کیوں نہ کہا ؟" وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے اُن کا خاندانی نام لیا — سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی نرمی سے فرمایا " ہاں میرا خاندانی نام محمدؐ ہے۔"

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار جن کو آپؐ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ کسی شخص کے منہ سے " اے اللہ کے رسول " کی بجائے " اے محمدؐ " سننا بھی گوارا نہ تھا، حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

②

سیدنا حضرت ابو عبداللہ ثوبانؓ کے حسب ونسب کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ ان کے والد کا نام بجدد یا جحدر تھا اور وہ یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان تخت و تاج اور طبل وعلم کا مالک رہا تھا معلوم نہیں کیا افتاد پڑی کہ حضرت ثوبانؓ کو غیروں کی غلامی اختیار کرنی پڑی۔ اسی حالت میں وہ

بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچ گئے۔ حضورؐ نے ان کے چہرے پر شرافت و نجابت کے آثار دیکھے تو آپؐ کا دریائے کرم جوش میں آ گیا، آپؐ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا:

" اگر چاہو تو اپنے خاندان میں چلے جاؤ اور اگر میرے ساتھ رہنا پسند کرو تو میرے گھر والوں میں تمہارا شمار ہوگا۔"

ثوبانؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ انہوں نے اپنے خاندان اور وطن پر بارگاہِ نبوی کو ترجیح دی اور عرض کی، " یا رسول اللہ میں آپؐ کی خدمت میں رہوں گا۔" اور پھر وہ خلوت و جلوت اور سفر و حضر ہر حالت میں ہمیشہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اگرچہ حضورؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا لیکن انہوں نے برضاؤ رغبت آپؐ کی غلامی اختیار کر لی اور یوں زندگی بھر دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹتے رہے۔

حضرت ثوبانؓ نہ صرف حضورؐ کے ہر حکم کی تعمیل نہایت مستعدی سے کرتے تھے بلکہ آپؐ کے ہر ارشاد کو بھی حرزِ جان بنا لیتے تھے اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی اس پر عمل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ مسندِ ابو داؤد میں خود ان سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا عہد کرے (اور اسے پورا بھی کرے) کہ وہ کبھی لوگوں سے سوال نہ کرے گا، میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہ مانگوں گا۔"

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت ثوبانؓ نے زندگی بھر اپنے اس عہد کی شدت سے پابندی کی یہاں تک کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جاتا تھا تو خود سواری سے اتر کر اسے اٹھاتے تھے اور کسی دوسرے کو اس کام کے لیے ہرگز نہ کہتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے " الاصابہ " میں اس سے ملتی جلتی روایت اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے لیے دعا کی۔ اس وقت حضرت ثوبانؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا:—

یا رسول اللہ، کیا میں بھی اہلِ بیت میں سے ہوں"۔ ارشاد ہوا، "ہاں جب تک تم کسی امیر کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ یا کسی دروازے کی چوکھٹ پر نہ جاؤ۔"

حضرت ثوبانؓ نے اس کے بعد عمر بھر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔

(۳)

حضرت ثوبانؓ جس دن سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے آپؐ کے وصال تک برابر آپؐ کی خدمت کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کرلی۔ امیرالمؤمنین (غالباً عہدِ فاروقی میں) حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی مہم پر مامور فرمایا تو حضرت ثوبانؓ مصر جانے والے مجاہدین میں شامل ہوگئے اور وہاں کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ مصر سے واپس آکر حمص میں گھر بنا لیا اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

حضرت ثوبانؓ اپنے آپ کو سید المرسلین والانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہلانے میں بڑا فخر محسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے بھی حضورؐ سے ان کی غلامی کی نسبت کا احترام اور لحاظ کریں۔ مسندِ احمدؒ بن حنبل میں ہے کہ ایک دفعہ حمص کے زمانۂ قیام میں علیل ہوگئے۔ اس وقت عبداللہ بن قرط ازدی حمص کے والی (گورنر) تھے۔ وہ کسی وجہ سے ان کی عیادت کے لیے نہ آئے۔ حضرت ثوبانؓ نے ان کی بے رخی کو بہت محسوس کیا اور ان کو یہ خط لکھوایا ــــــ "اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا غلام تمہارے یہاں ہوتا تو کیا تم اس کی عیادت کے لیے نہ آتے؟" یہ خط عبداللہ بن قرط کو ملا تو ان کو اپنی غفلت پر بہت ندامت ہوئی اور وہ اس کی تلافی کے لیے اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلے کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آگیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت ثوبانؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی کوتاہی پر معذرت کی اور دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر مزاج پرسی کرتے رہے۔

"مستدرکِ حاکم" کے مطابق حضرت ثوبانؓ نے ۵۴ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت

امیر معاویہؓ) حمص میں وفات پائی۔

حضرت ثوبانؓ کو بارگاہِ رسالتؐ میں جو غیر معمولی درجۂ تقرب حاصل تھا اس کی بناء پر وہ معدنِ فضل وکمال بن گئے تھے۔ ان سے ایک سو ستائیس[۱۲۷] احادیث مروی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث اور تلامذہ میں معدان بن طلحہؒ، ابو ادریس خولانیؒ، راشد بن سعدؒ، عبدالرحمٰن بن غنمؒ، ابو عامر الالہانیؒ اور جُبیر بن نفیرؒ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ ان کے بعض معاصرین کسی دوسرے صحابی سے کوئی حدیث سنتے تو اس کی تصدیق حضرت ثوبانؓ سے بھی کرا لیتے۔

مُسندِ ابوداؤد میں ہے کہ معدان بن طلحہؒ نے (جو حضرت ثوبانؓ کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے) ایک مرتبہ فقیہ الامت حضرت ابو الدرداء انصاریؓ سے ایک حدیث سُنی پھر حضرت ثوبانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس کی تصدیق کی۔

حضرت ثوبانؓ کو اشاعتِ حدیث میں بھی بڑا اہتمام تھا اور وہ بڑے لطف و انبساط کے ساتھ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ "حضرت ثوبانؓ ان اصحاب میں ہیں جنہوں نے حدیثیں محفوظ کیں اور ان کی اشاعت بھی کی۔" شائقینِ حدیث اصرار کر کے ان سے حدیثیں سنا کرتے تھے۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی چند احادیث بطور تبرک درج ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیر کر ایک جانب بیٹھتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر یہ کہتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ (صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو بہشت کی میوہ خوری میں رہتا ہے (یعنی بہشت کی میوہ خوری کا اہل ہو جاتا ہے) جبتک وہ عیادت سے واپس نہ آئے۔ (صحیح مسلم)